ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

22

www.tanzeem.org

17 تا 23 جمادی الثانی 1431ھ/یکم تا 7 جون 2010ء

اس شمارے میں

ریاست ہوگی ماں کے جیسی!

اسلامی انقلاب کیونکر آ سکتا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے ایک یادگار ملاقات

تنظیم اسلامی کیا کرے؟

انقلاب استحصال زدہ لوگ ہی برپا کرتے ہیں

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا ماہانہ اجتماع

القاعدہ، اکیسویں صدی کا سب سے بڑا جھوٹ؟

جب تک ویسا قانون نہیں آتا

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

خود فراموشی

اس امت کی جو خصوصیات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں، ان کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ امت قرآن میں بیان کردہ اُمت سے یکسر مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک بڑا وصف یہ بتایا ہے کہ یہ ''امتِ خیر'' ہے۔ اس کے ''خیر'' ہونے کی علت یہ بتائی کہ یہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے اور اللہ پر ایمان رکھنے والی قوم ہے۔ آج ہمارے اندر سے یہ عظیم قدر رخصت ہو چکی ہے۔ ہم نیکی و بدی کی پہچان کھو بیٹھے ہیں۔ ''معروف'' ہمیں ناگوار ہے اور ''منکر'' ہمارے لیے مرغوب بن گیا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اسی اُمت میں ایسے افراد اور گروہ موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی منشا کے یکسر الٹ ''منکرات'' کو پھیلانے اور ''معروفات'' کا راستہ روکنے کے درپے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ''امتِ وسط'' کا نام دیا ہے۔ لیکن اس ''وسط'' کی منہاج کو ترک کر کے ہم نے اپنے آپ کو دائیں اور بائیں میں، شرقی اور غربی میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے انعام یافتگان کا جادۂ حق ترک کر کے ان راہوں پر چل کھڑے ہوئے جن پر ''مغضوب'' اور ''ضآلین'' چلتے ہیں اور ان کا ہر نقشِ قدم اپنی منزل کی روشن علامت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملتِ اسلامیہ کو ''اُمتِ واحدہ'' قرار دیا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق اپنے اندر وحدت پیدا کرنے کی بجائے ہم استعماری قوتوں کی پالیسی کے تحت ٹکڑوں میں تقسیم ہوئے پڑے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو بھول چکے ہیں، اللہ نے ہمیں بھلا دیا۔ آج ہم اپنے مالک و خالق کی توجہ و التفات کے مستحق نہیں رہے۔

امت مسلمہ، بگاڑ اور علاج

ڈاکٹر یوسف القرضاوی

سورۃ الانفال

(آیات:67تا69)

ڈاکٹراسراراحمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾

’’پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے۔ تم لوگ دُنیا کے مال کے طالب ہو۔ اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو (فدیہ) تم نے لیا ہے، اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب (نازل) ہوتا۔ تو جو مال غنیمت تم کو ملا ہے اسے کھاؤ (کہ وہ تمہارے لئے) حلال طیب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

غزوۂ بدر کے خاتمے کے بعد سوال پیدا ہوا کہ جو 70 قیدی پکڑے گئے تھے، اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں مشاورت ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نرم مزاج، شفیق اور رحم دل تھے۔ آپؐ کی رائے یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر یا چھوڑ دیا جائے۔ یہی رائے آپؐ کے ہم مزاج حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تھی۔ تاہم حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان قیدیوں کے ساتھ ہر گز کوئی نرمی نہ برتنی چاہیے۔ اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ دوبارہ کفر کی تقویت کا باعث بنیں گے۔ جب تک کفر کی کمر ٹوٹ نہ جائے اُس وقت ہمیں کوئی نرمی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اِن قیدیوں کو اُن کے مہاجر رشتہ دار اپنے ہاتھ سے قتل کریں۔ مشاورت میں فیصلہ اول الذکر رائے پر ہو گیا اور اسی پر عمل درآمد ہو گیا۔ لیکن اس فیصلے پر گرفت کی گئی۔ چونکہ بنیادی طور پر اس مضمون کی تفصیل سورۃ محمد میں پہلے سے آ چکی تھی، اس لیے اس پر تنبیہہ ہوئی اور مستقل حکم بتایا گیا کہ کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ زمین میں خوب خونریزی نہ ہو جائے، کیونکہ قیدیوں کو آج نہیں تو کل چھوڑنا پڑے گا اور یوں پھر وہ کفر کے لیے تقویت کا باعث بنیں گے۔ پھر فرمایا، تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو یعنی فدیہ کی صورت میں مال ملے گا اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔ ظاہر ہے، کہ نہ حضور ﷺ کی یہ نیت ہو سکتی تھی (معاذ اللہ) اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ اپنے نبیوں پر گرفت کرتا ہے تو بظاہر الفاظ بڑے سخت ہوتے ہیں [اس سلسلہ میں پورا قانون سورۃ محمدؐ کی آیت 4 میں آئے گا] اور اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے۔

سورۃ محمدؐ کی آیت 4 سے رسول اللہ ﷺ نے گنجائش نکالتے ہوئے فدیہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلہ میں سوائے حضرت عمر فاروقؓ کے حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کا مشورہ بھی شامل تھا۔ مذکورہ آیت میں فدیہ لے کر چھوڑنے کی تعبیر کا امکان موجود تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے استعمال کیا۔ قرآن مجید کا رجحان تو اس طرف ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کی پیروی کی جائے، مگر طبیعت کے اندر نرمی ہو تو انسان نرمی ہی کی طرف جائے گا۔ لہٰذا چونکہ سورۃ محمد کی آیت 4 میں واقعتاً وہ گنجائش جو رسول اللہ ﷺ نے نکالی تھی، موجود ہے، اس لیے اللہ نے فرمایا، اگر وہ نہ ہوا ہوتا یعنی اگر وہ آیت (سورۃ محمد:4) پہلے نازل نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو فدیہ وغیرہ لیا ہے، اس پر تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔ روایت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روتے رہے۔

اچھا تو اب جو تمہیں عین جنگ کے موقع پر مال غنیمت ملا ہے یا جو اس وقت فدیے کی صورت میں مل رہا ہے، تم اس میں سے کھاؤ اور استعمال کرو، کوئی ہچکچاہٹ نہیں، وہ حلال اور ستھرا صاف ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مہدی کی آمد

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَلْمَھْدِیُّ مِنِّیْ اَجْلَی الْجَبْھَۃِ اَقْنَی الْاَنْفِ یَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا یَمْلِكُ سَبْعَ سِنِیْنَ)) (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مہدی مجھ سے ہوں گے، روشن پیشانی اور بلند ناک والے ہوں گے۔ زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھریں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر گئی تھی اور سات سال تک حکومت کریں گے۔‘‘

تا خلافت کی بِنا ‘ دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

جلد 19
شمارہ 22
17 تا 23 جمادی الثانی 1431ھ
یکم تا 7 جون 2010ء

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
ایوب بیگ مرزا
محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد‘ طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس‘ ریلوے روڈ‘ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے‘ علامہ اقبال روڈ‘ گڑھی شاہو‘ لاہور-54000
فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور-54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا---------------- (2000 روپے)
یورپ‘ ایشیا‘ افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ‘ منی آرڈر یا پے آرڈر
”مکتبہ خدام القرآن“ کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

”ادارہ“ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”ریاست ہوگی ماں کے جیسی“

پاکستان کی تریسٹھ سالہ تاریخ میں کرپشن فری حکومت کا کبھی کوئی تصور نہیں رہا بلکہ ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق بعض طبقات کی کوششوں کے باوجود ہر نئی حکومت نے کرپشن میں ترقی کی منازل تیزی سے طے کیں۔ ہر نئے دور میں لوگ یہ کہتے سنے گئے کہ سابقہ حکومت تو اتنی کرپٹ نہ تھی، نہ میرٹ کی اتنی مٹی پلید ہوئی تھی، نہ اقربا پروری کی اتنی شہادتیں سامنے آئی تھیں۔ لیکن ایک بات کم و بیش تمام سابقہ حکومتوں میں مشترک تھی، وہ یہ کہ جب حکومت کے کسی منظورِ نظر پر کرپشن کا الزام لگتا تو حکومت اُسے بچانے کے لئے عوام کی نظروں سے اوجھل کر دیتی تھی۔ حکومتی جماعت اُسے پچھلی صفوں میں دھکیل دیتی تھی۔ جھوٹی سچی کمیٹی کے قیام سے لوگوں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ قصہ کوتاہ یہ کہ حکمران معاملے کو ٹالنے اور اپنے ساتھی کو بچانے کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔ لیکن موجودہ حکومت دو لحاظ سے نئی تاریخ رقم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایک یہ کہ کرپشن اتنی عام اور زیادہ کر دی جائے کہ کوئی آنے والی حکومت اُن کا ریکارڈ نہ توڑ سکے۔ یہ لوگ ؏ ”بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست“ کے فارمولے کو سامنے رکھتے ہوئے لوٹ مار کو آخری حد تک پہنچا دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اقتدار میں یہ اُن کی آخری باری ہے۔ لہٰذا ”اب نہیں تو کبھی نہیں“ کا نعرہ لگا کر کرپشن کے سمندر میں غوطہ زن ہیں، بلکہ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ خود کرپشن کے سمندر کی صورت اختیار کر گئے ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ دوسری بات انتہائی خطرناک ہے اور پاکستان ہی نہیں شاید دنیا بھر میں کہیں اس کی نظیر نہیں ملے گی، وہ یہ کہ جس حکومتی اہلکار پر کرپشن، جعل سازی اور خیانت کا الزام لگے یہاں تک کہ عدالت میں جرم ثابت ہو جائے، اُسے سزا دینے کی بجائے ترقی دے دی جائے اور مختلف انعامات سے نوازا جائے۔ چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔ صدر کے امریکی دورے کے دوران یہ رپورٹ آئی کہ دو وزیر ایک کلب میں گئے جہاں ایک بھارتی رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ ہمارے وزیروں نے اس رقاصہ پر پندرہ ہزار ڈالر نچھاور کر دیئے۔ وہ نشے میں دھت تھے اور اس حال میں ایک امریکی سے الجھ بھی پڑے۔ پہلے اس خبر کی تردید کی گئی لیکن جب ایک وڈیو فلم کے ذریعے جرم ثابت ہو گیا تو ان میں سے ایک وزیر کو اہم تر وزارت سونپ دی گئی۔ ایک وزیر کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ اُس نے مجرموں سے یہ کہہ کر ساڑھے تین کروڑ روپیہ وصول کیا ہے کہ وہ جج سے سودا بازی کر کے انہیں بری کروا دے گا۔ اس خبر کے منظرِ عام آنے پر اس وزیر کو بھی ایک اہم تر وزارت سے نواز دیا گیا۔ بعد ازاں جب یہ معلوم ہوا کہ اس وزیر کی ڈاکٹری کی ڈگری بھی جعلی ہے تو اُسے صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ جعلی ڈگری پر قومی اسمبلی سے استعفادینے والے کو دوبارہ ٹکٹ جاری کیا گیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ خود وزیر اعظم اُس جعل ساز کو سپورٹ کرنے اُس کے حلقہ میں جا پہنچے۔ یہ ہے وہ نئی ادا اور انتہائی خطرناک بات جو موجودہ حکومت نے بطور پالیسی اپنالی ہے۔ یعنی کرپشن کو تقدس دیا جا رہا ہے۔ کرپٹ افراد کو عزت اور تکریم دینے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ آپ جرم کریں، اگر عدالت سزا بھی دے دے گی تو صدر عدالت کے احکامات کی سیاہی خشک ہونے سے پہلے سزا معاف کر دیں گے۔ عزت، عہدہ اور منصب حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جعل سازی کریں، کسی واردات کا ارتکاب کریں اور اگر آپ کے خلاف سینکڑوں افراد کے قتل عام کا مقدمہ ہے، فراڈ اور بھتہ خوری کے الزامات ہیں تو آپ سات

سمندر پار نہ صرف مقیم ہو جائیں بلکہ وہاں اپنی جماعت کا سیکرٹریٹ قائم کریں۔ صدر مملکت خود وہاں شرف باریابی کے لئے حاضر ہوں گے۔

ایک فرمان نبویؐ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ تم برائی کا حکم دو گے اور نیکی سے روکو گے۔ سوال یہ ہے کیا موجودہ حکومت نے حقیقتاً یہ طرزِ عمل اختیار کر لیا ہے؟ فرض کریں، حکومت کے دفاع میں یہ کہا جاتا ہے کہ اُنہوں نے چند بدکردار افراد کو عہدوں اور مراعات سے نوازا ضرور ہے لیکن کہیں بُرائی کا حکم نہیں دیا، تب بھی اس حقیقت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا کہ بدکردار اہلکار کو انعامات سے نواز کر حکومت نے بُرائی کی عملی ترغیب دی ہے۔ کیا ایسی صورت میں حکومت کی بقا کا کوئی جواز بنتا ہے، یہ ایک عملی سوال ہے۔ ہماری رائے میں حالات جس ڈگر تک پہنچ چکے ہیں اور جس کردار کے لوگ سیاست میں در آئے ہیں اور اپوزیشن کی بداعمالیاں بھی لوگوں کے سامنے آ چکی ہیں، محض اس حکومت کو گرانے کا چنداں فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ حقیقت میں یہ نظام ہی مکمل طور پر گل سڑ چکا ہے اور اس کی سڑاند سے معاشرے میں حد درجہ تعفن پیدا ہو چکا ہے۔ شریف انسان کے لئے سانس لینا دشوار ہے۔ بدی نوازی کا حکومتی رویہ عوام میں بھی سرایت کر رہا ہے۔ یہ نظام اُس عمارت کی مانند ہے جو مکمل طور پر خستہ ہو چکی ہے۔ اُس کی جزوی مرمت اور لیپا پوتی وقت اور وسائل کا ضیاع ہے۔ اسے تعمیر نو کے لئے زمین بوس کرنا ہوگا۔ اس نظام کی وجہ سے ہمارا معاشرہ ایک ایسی دیوار کی مانند ہے جس کی اینٹوں کے درمیان سے سیمنٹ نکل چکا ہو یا اپنی افادیت کھو چکا ہو۔ اینٹیں ایک دوسرے سے لاتعلق ہو چکی ہیں، ایسی دیوار کے مستقبل کے بارے میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ سوال یہ ہے کہ اس گرتی ہوئی دیوار کو آخری دھکا کیسے دیا جائے۔ اگر حالات سے تنگ آئے لوگ بے قابو ہجوم کی صورت میں آتش زنی، سنگ باری اور لوٹ مار شروع کر دیں گے، تاجر ٹیکس دینا بند کر دیں گے، مزدور ہڑتال پر چلے جائیں تو نظام کا خاتمہ تو ہو جائے گا لیکن ہم کھو سے نکل کر کھاتے میں پڑ جائیں گے۔ یعنی ایک چھوٹی مصیبت سے نکل کر بڑی اور مہلک تر مصیبت میں پھنس جائیں گے اور ایک ایسے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے جس سے نجات پانا شاید ممکن نہ ہو۔ لہٰذا وہ لوگ جو خونی انقلاب اور کرغیزستان کے حالات کی مثالیں دے رہے ہیں، دوست نہیں دشمن ہیں۔ ہمیں ایک صالح انقلاب کی ضرورت ہے۔ ایک عوام دوست انقلاب کی ضرورت ہے۔ ایک فطری تبدیلی کی ضرورت ہے جس کے لئے منظم جماعت ناگزیر ہے۔ ایسی جماعت جس کے کارکن تربیت یافتہ ہوں اور خوفِ خدا رکھتے ہوں۔ جس کا لیڈر ایک ہو اور اللہ اور رسول ﷺ کی غلامی کے سوا کسی کی غلامی کا تصور نہ رکھتا ہو۔ جو ہمدرد اور غمخوار ہو، جو ریاست کے حوالہ سے خلافت راشدہ کے دور کو آئیڈیل سمجھتا ہو۔ جو خلافت منہاج النبوۃ کا قائل ہو۔ جو عوام کی نگہداشت اولاد کی طرح کرے۔ پھر ہو گی ریاست ماں کے جیسی۔

☆☆☆

بیابہ مجلس اسرار

اُمت کا فرضِ منصبی

سوال یہ ہے کہ آیا نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت کی تکمیل جملہ اعتبارات سے بہ تمام و کمال ہو چکی ہے یا وہ کسی پہلو یا اعتبار سے ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے۔ اگر بات دوسری ہے اور صورت واقعہ یہ ہے کہ ۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے!

تو کیا اُمت صرف عید میلا النبیؐ منا کر، یا جلسے کر کے اور جلوس نکال کر یا ذوق و شوق کے ساتھ درود و سلام بھیج کر اپنے فرضِ منصبی سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے اور صورت حال واقعتہً یہ ہے کہ ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا!

تاہم

اِک طرزِ تغافل ہے سو وہ اُن کو مبارک
اِک عرضِ تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے!

کے مصداق گزارش ہے — کہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ختم نبوت و رسالت کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو کام آنحضور ﷺ سے قبل انبیاء و رُسل کیا کرتے تھے، آپؐ کے بعد اب وہ سب کے سب آپؐ کی اُمت کے ذمے ہیں۔ گویا خواہ دعوت و تبلیغ، انذار و تبشیر، تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ پر مشتمل فریضۂ شہادتِ حق ہو جو بعثت انبیاء و رُسل کی غرض اصلی اور غایتِ اساسی ہے، خواہ اعلاءِ کلمۃ اللہ، اقامت دین اور اظہارِ دین حق علی الدین کُلّہٖ پر مشتمل بعثتِ محمدیؐ کا مقصد امتیازی اور مُنتہائے خصوصی ہو، جملہ اہل ارض اور جمیع کُرۂ ارضی کے اعتبار سے یہ سارے فرائض اب ان لوگوں پر عائد ہوتے ہیں جو آنحضور ﷺ کے نام لیوا ہیں اور آپؐ کے نام نامی سے منسوب ہونے پر فخر کرتے ہیں اور آپؐ کی اُمت میں سے ہونے کو موجب سعادت جانتے ہیں۔

مسلمانانِ پاکستان بالخصوص ہمارے دینی رہنما اس نکتہ پر غور فرمائیں کہ منہج انقلاب کے ضمن میں ہمیں سیرت النبی ﷺ سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ اور منہج نبویؐ کی روشنی میں

پاکستان میں اسلامی انقلاب کیونکر آ سکتا ہے؟

مسجد جامع القرآن قرآن اکیڈمی لاہور میں امیرِ تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 14 مئی 2010ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات محترم! گزشتہ دو اجتماعات جمعہ میں ایک مضمون تسلسل سے آگے بڑھ رہا ہے۔ یہ مضمون ہے: پاکستان کے موجودہ داخلی اور خارجی حالات اور اس کے اسباب اور علاج۔ آج ہم جن مہیب اور خوفناک حالات سے دوچار ہیں، یہ درحقیقت اللہ کا عذاب ہے، جو اُس کی ناشکری اور نفاذِ اسلام سے پہلوتہی کا نتیجہ ہے۔ اس عذاب سے نجات کی صورت یہ ہے کہ پوری قوم اجتماعی توبہ کرے۔ انفرادی طور پر بھی دین سے سرکشی کی روش پر توبہ کرے اور اجتماعی سطح پر اسلام سے متصادم نظام کے خاتمے اور اسلام کے غلبہ وقیام کے لیے کمربستہ ہو جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے کیا طریقۂ کار اپنایا جائے۔ پاکستان میں مختلف مکاتب فکر ہیں، جو اپنے اپنے انداز میں یہ کام کر رہے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ دعوت کا کام کرتے رہو، جب سب لوگ بدل جائیں گے تو معاشرہ بھی بدل جائے گا اور ریاستی نظام بھی از خود درست ہو جائے گا۔ یہ انداز فکر تبلیغی جماعت سے وابستہ لوگوں کا ہے۔ انتخابی سیاست میں حصے لینے والی دینی جماعتوں کی رائے یہ ہے کہ عصر حاضر نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے کہ انتخابی راستے سے عوامی ووٹوں سے پارلیمنٹ میں پہنچیں، اور وہاں اپنی اکثریت کے بل بوتے اسلامی نظام تشکیل دیں۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر انتخابی راستے سے نفاذ اسلام کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ چنانچہ ہماری زیادہ تر دینی جماعتیں اسی انداز سے جدوجہد کر رہی ہیں۔ اِن دونوں آراء کے برعکس تیسری رائے اُن لوگوں کی ہے جو حالات سے سخت مایوس ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں راستے نفاذ اسلام کے لیے مؤثر نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تبدیلی بیلٹ سے نہیں، بلٹ سے آئے گی۔ لہٰذا ہتھیار اُٹھالو اور باطل نظام کا قلع قمع کر کے ایک صالح اسلامی نظام برپا کر دو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ کیا اسلامی انقلاب کے لیے اِن طریقوں میں سے کوئی طریقہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ نبی کریم ﷺ جن کی زندگی ہمارے لیے ایک کامل اسوہ ہے، انہوں نے اس باب میں ہمارے لیے کیا نمونہ چھوڑا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے 21 برس میں تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب برپا کیا۔ اس انقلاب کے لیے آپؐ نے کیا لائحہ عمل اختیار فرمایا، یہی لائحہ عمل ہمارے لیے اس ضمن میں اصل رہنمائی ہے، جس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پیغمبر انقلاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ اور عظیم الشان سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپؐ نے ایک فرد کی حیثیت سے اظہار دین حق کی جدوجہد کا آغاز کیا اور 21 برس کے قلیل عرصہ میں پورے جزیرۂ نمائے عرب میں اللہ کا دین غالب کر دیا۔ آپؐ کی اس جدوجہد میں کہیں عصائے موسیٰؑ نظر نہیں آتا۔ یہ تمام تر جدوجہد خالصتاً انسانی سطح پر ہوئی۔ آپ کو اس راستے میں بے انتہا تکالیف اُٹھانی پڑیں۔ شدید مصائب وآلام کا سامنا کرنا پڑا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمام انبیاء و رسل پر جو تکالیف اور آزمائشیں آئیں، تنہا وہ سب مجھ پر آئیں۔ آپؐ نے خالصتاً انسانی سطح پر غلبۂ دین کے لیے جدوجہد کر کے تا قیام قیامت اپنی امت کے لیے ایک اسوہ اور نمونہ چھوڑا، اور طریق انقلاب کی عملی طور پر رہنمائی فرما دی۔ تاکہ آئندہ مسلمان یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کیونکر اسلامی انقلاب برپا کریں، ہمارے سامنے تو کوئی طریقہ ہی نہیں ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے دو ادوار ہیں: مکی دور، مدنی دور۔ اِن دو ادوار میں آپؐ کی سیرت کے دو پہلو بہت نمایاں ہیں۔ مکی دور میں دعوت ہے۔ آپ اللہ کے حکم سے لوگوں کو کلمۂ توحید کی طرف بلا رہے ہیں۔ اُن تک قرآن حکیم کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ جو لوگ آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں، آپؐ اُن کا تزکیہ وتربیت فرما رہے ہیں۔ یہ لوگ بھی آپؐ کے مشن میں آپؐ کے ساتھ شریک ہیں اور راہ حق میں آنے والی ہر قسم کی تکالیف جھیل رہے ہیں۔ ہر طرح کے مصائب و آلام میں اُن کا سہارا صبر و مصابرت ہے۔ حضرت حبابؓ کو دہکتے انگاروں پر لٹایا جاتا ہے۔ حضرت عمار، آپ کے والد حضرت یاسر اور والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہم پر بہیمانہ تشدد کیا جاتا ہے۔ حضرت سمیہؓ انتہائی وحشیانہ انداز سے شہید کر دی جاتی ہیں، اور یوں ایک مومنہ کے خون سے پہلی بار مکہ کی سرزمین لالہ زار ہوتی ہے۔ حضرت یاسرؓ کے ہاتھ پاؤں چار سرکش اونٹوں کے ساتھ باندھ کر انہیں چار سمتوں میں ہانک دیا جاتا ہے، جس سے اُن کے جسم کے پرخچے اُڑ جاتے ہیں۔ مگر کوئی مسلمان جوابی اقدام نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ابھی حزب اللہ تیاری کے مرحلے میں ہے۔ ابھی اس کی اجازت نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ یعنی ”اپنے ہاتھ باندھے رکھو۔“ ابھی اسلامی تحریک دعوت کے مرحلے میں ہے اور مقام دعوت کا یہ تقاضا ہے کہ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیا جائے۔

تیرہ سالہ مکی دور میں آپؐ نے دعوت کے ذریعے اور اپنے صحابہؓ کو تزکیہ وتربیت اور صبر محض کے مراحل سے گزار کر پاکیزہ نفوس پر مشتمل وہ عظیم انقلابی جماعت تیار کر لی، وہ حزب اللہ بنائی، جس کی مثال حق کے کوڑے کی سی تھی، جسے اللہ تعالیٰ باطل پر دے مارتا ہے۔ مکی دور میں آپؐ کی دعوت سے دو اڑھائی سو افراد ایمان لائے۔ یہ وہ افراد ہیں جنہیں سخت ترین آزمائشوں سے گزارا گیا اور یہ لوگ آپؐ کی اصل طاقت تھے۔

قرآن حکیم کی دعوت جب مدینہ میں پھیل گئی اور اوس اور خزرج قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم آ گیا۔ اسی دوران مسلمانوں کو بایں الفاظ قتال کی اجازت دے دی گئی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ﴾ (الحج)

''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا۔ وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

مدنی زندگی آپؐ کی انقلابی جدوجہد کا دوسرا دور ہے۔ اس میں جو چیز سب سے نمایاں ہے، وہ قتال اور اقدام ہے۔ اذنِ قتال کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے تو کفر کے ساتھ کئی معرکے پیش آئے اور باطل کو طاقت کے ساتھ کچلنے کا آغاز ہو گیا۔ علامہ اقبال نے سیرت کے ان دو انقلابی پہلوؤں کو اپنے اس شعر میں بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

با نشہ درویشی در ساز دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

یہ اُس طریقِ انقلاب کی مختصر جھلک ہے، جو ہمیں رسولِ خداؐ کی سیرت سے ملتا ہے۔ بعض لوگ مکی دور کو نظر انداز کر کے براہِ راست مدنی دور پر آ جاتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ یہ منہج انقلاب نبویؐ کے خلاف ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ مدنی دور میں مسلح تصادم کا جو مرحلہ پیش آیا، موجودہ دور میں اس کا ایک متبادل پر امن احتجاج ہے۔ یعنی ہم پہلے تو اسلام کی تبلیغ کریں، دینِ حق کی بھرپور دعوت دیں، اور جب ایک منظم جماعت تیار ہو جائے اور وہ تصادم کے مرحلے میں داخل ہو تو باطل نظام کو چیلنج کیا جائے، ایک حد درجہ منظم احتجاجی تحریک چلائی جائے، جو توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی سے پاک ہو۔ تحریک چلانے والوں کا ایک ہی مطالبہ ہو کہ موجودہ استحصالی نظام کو ختم کر دو۔ ہم سودی نظام نہیں چلنے دیں گے، ہم منکرات کو اب مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں ختم کرو، اللہ کی حکمرانی قائم کرو۔ ہم اُس وقت تک دھرنا دیئے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ ہمارا مطالبہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہم پر گولیاں چلاؤ، یہ ہمیں گوارا ہے، مگر نظامِ باطل کا وجود ہمیں ہرگز گوارا نہیں۔ یہ احتجاجی تحریک انتہائی منظم ہو۔ احتجاج کرنے والوں پر خواہ لاٹھی چارج ہو، گولیاں برسیں، تب بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، بلکہ ڈٹے رہیں۔ انقلاب یونہی نہیں آ جایا کرتے۔ اس کے لیے قربانیاں تو دینا پڑتی ہیں۔ ابھی چند ہفتے پہلے کی بات ہے، ہزارہ میں لوگ اپنے حقوق کے لیے باہر نکلے تو انہیں گولیاں کھانی پڑیں۔ تحریک صوبہ ہزارہ کے دوران 9 افراد پولیس کی گولیوں کا نشانہ بن کر جاں بحق ہو گئے۔ تو جب علاقائی اور لسانی مفادات قربانیاں مانگتے ہیں تو کیا اسلامی انقلاب کا اعلیٰ اور عظیم ترین مشن یونہی پورا ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ، اس کے لیے ہمیں قربانیاں دینا ہوں گی۔ خون بہانا پڑے گا، تب جا کر انقلاب کی منزل آئے گی۔ لہٰذا ہمیں ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

آخری بات!

خوشی کی بات ہے کہ پچھلے دنوں دیوبندی مکتبہ فکر کے 131 علماء جامعہ اشرفیہ لاہور میں جمع ہوئے اور انہوں نے موجودہ خوفناک ملکی حالات پر غور کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ان حالات کی اصل وجہ کیا ہے۔ علماء کرام کا یہ تجزیہ صد فی صد درست ہے کہ یہ تمام تر صورتحال نفاذِ اسلام سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ علماء کے اس تاریخی اجتماع کے بعد جو اعلامیہ جاری کیا گیا، اُس پر ہم سب لوگوں بالخصوص وہ لوگ کہ جن کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہے، بھرپور توجہ دینی چاہیے۔ اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ

''ملک بھر کے علماء کا یہ اجتماع عام مسلمانوں کے اس احساس میں برابر کا شریک ہے کہ ہمارا ملک جن گوناگوں مسائل سے دوچار ہے اور اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کے جس عظیم مقصد کے لیے یہ مملکت خداداد حاصل کی گئی تھی، اس کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے، اور عملاً اسلامی نظامِ زندگی اور اسلامی نظامِ عدل کی طرف پیش قدمی کی بجائے ہم اس منزل سے دور ہوتے چلے گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک بھر کے عوام ہمہ جہتی مسائل کی چکی میں پس رہے ہیں۔ دولت کی تقسیم کا نظام اس قدر مہیب ہے کہ ایک طرف دولتوں کے ڈھیر ہیں، دوسری طرف لوگ فقر و افلاس سے مجبور ہو کر خودکشیاں کر رہے ہیں۔ ملک بھر میں کسی کی جان و مال کا کوئی تحفظ نہیں ہے۔ قتل و غارت گری اور دہشت گردی سے ہر شخص سہا ہوا ہے اور مجرم دندناتے پھرتے ہیں۔ سرکاری محکموں میں رشوت ستانی اور بدعنوانی کا عفریت ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے اور عوام کے لیے اپنا جائز حق حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف بن گیا ہے۔ جو شخصیتیں ملک کا عظیم اثاثہ تھیں وہ برملا قتل کی جاتی ہیں اور قاتلوں کو سزا نہیں ہوتی۔ بے گناہ بچوں کو دھڑلے سے اغوا کیا جاتا ہے اور ملوث افراد کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ ناقص منصوبہ بندی کے نتیجے میں مہنگائی اور بجلی کی قلت نے عوام کو عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے، جس سے بے روزگاری میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسری طرف ہمارے ملک کے بہترین وسائل ان عوامی تکلیفوں کو دور کرنے اور ان کے اسباب کا ازالہ کرنے کی بجائے امریکا کی مسلط کی ہوئی جنگ میں امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے خرچ ہو رہے ہیں جبکہ امریکا کی طرف سے ہماری سرحدوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر کے ان ڈرون حملوں کا سلسلہ برابر جاری ہے، جن میں ہمارے بے گناہ شہریوں، عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد شہید ہو کر بستیاں کی بستیاں اُجاڑ چکی ہیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ امریکا نے اپنی بالادستی قائم کرنے اور عالم اسلام کے وسائل پر قبضہ کرنے اور اسلام اور اُمت مسلمہ کے تہذیب و تمدن کو تباہ کرنے کی کارروائیوں میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جگہ جگہ بے گناہ مسلمانوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنا رہا ہے، اور خود ہمارے شہریوں کے ساتھ امریکا میں بدترین ذلت آمیز سلوک کیا جاتا ہے، اور امریکا مسلسل ہماری بجائے بھارت کو نوازتے رہنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔

اس سب کے باوجود حکومت کی پالیسیوں میں امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ملکی مفادات کو بے دھڑک قربان کیا جا رہا ہے۔

جب اجتماعی سطح پر مسلمانوں کو اس قسم کے مسائل درپیش ہوں تو اس وقت بطورِ خاص اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس کی نافرمانیوں سے بچا جائے، لیکن ان حالات میں بھی ملک میں بے دینی کو فروغ مل رہا ہے، عریانی و فحاشی پر کوئی روک نہیں، نفاذِ شریعت کی پُر امن کوششوں کو درخورِ اعتناء ہی نہیں سمجھا جاتا، اور سود، قمار اور دوسری محرمات کو شیرِ مادر سمجھ لیا گیا ہے۔ ان تمام حالات میں ملک کے دردمند مسلمان سخت بے چینی کا شکار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا دین عطا فرمایا ہے جس میں نہ مایوسی کی کوئی گنجائش ہے اور نہ بے عملی کی۔ لہٰذا یہ تمام حالات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ملک کے اربابِ حل و عقد اور عوام ایک دوسرے کو نشانۂ ملامت بنانے کی بجائے مل جل کر اپنے طرزِ عمل میں انقلابی تبدیلیاں لائیں، اسی طرح ملک کی کشتی گرداب سے نکل سکتی ہے۔

اسی غرض کے لیے علماء کرام کا یہ اجتماع بلایا گیا تھا کہ وہ اس صورت حال پر غور کر کے قرآن و سنت کی روشنی میں وہ طریقے تجویز کریں جو ملک کو اس صورت حال سے نکالنے کے لیے ضروری ہیں۔''

علماء کرام نے علاج کے ضمن میں جن اقدامات کا ذکر کیا، اِس وقت صرف اُن میں سے پہلے اقدام کا حوالہ مقصود ہے۔ علماء نے قرار دیا کہ

''اس بات پر ہمارا ایمان غیر متزلزل ہے کہ اسلام ہی نے یہ ملک بنایا تھا اور اسلام ہی اسے بچا سکتا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک میں اسلامی تعلیمات اور قوانین کو نافذ کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارا دینی فریضہ بھی ہے، اور ملک کے آئین کا اہم ترین تقاضا بھی، اور اسی کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ملک میں انتہا پسندی کی تحریکیں اُٹھی ہیں۔ اگر ملک نے اپنے اس مقصد وجود کی طرف واضح پیش قدمی کی ہوتی تو ملک اس وقت انتہا پسندی کی گرفت میں نہ ہوتا۔ لہٰذا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ پُرامن ذرائع سے پوری نیک نیتی کے ساتھ ملک میں نفاذِ شریعت کے اقدامات کیے جائیں۔''

سوال یہ ہے کہ یہ پرامن ذرائع کیا ہیں؟ کیا منبر ومحراب سے نفاذ اسلام کا تقاضا کرنے سے حکومت مان لے گی۔ ظاہر ہے، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لیے ایک حد درجہ منظم اور پرامن عوامی احتجاجی تحریک برپا کرنی ہوگی۔ جس کے کارکن پہلے اپنے وجود پر اور اپنے گھر میں شریعت نافذ کر چکے ہوں اور پھر نفاذ اسلام کے عظیم مشن کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کود پڑیں۔ وہ اُس وقت تک اپنا احتجاج جاری رکھیں جب تک کہ اُن کا مطالبہ مان نہ لیا جائے یا اللہ تعالیٰ انہیں شہادت سے سرفراز نہ کردے۔ یہ اسلامی انقلاب کے لیے سب سے محفوظ اور پرامن راستہ ہے جسے پورے شعور و ادراک سے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ تبدیلی اسی راستے سے آئے گی۔ ایرانیوں نے اپنے ملک میں اسی راستے سے انقلاب برپا کیا۔ وینزویلا میں بھی عوامی احتجاج سے حکمرانوں کو اقتدار چھوڑنا پڑا۔ حال ہی میں کرغیزستان میں عوام نے بغاوت کی تو صدر کو ایوان صدر سے فرار ہونا پڑا۔ ہمارے ہاں وکلاء نے بھی عدلیہ کی بحالی کے ایشو اور اپنے جائز حقوق کے لیے تحریک چلائی۔ انہوں نے اس کے لیے قربانیاں دیں، ماریں کھائیں، جیلوں میں گئے، مگر اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی تحریک کامیاب ہوگئی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دینی جماعتیں اِس راستے کی طرف آئیں۔ دینی رہنما مدارس سے نکل کر لوگوں کو نفاذِ اسلام کی خاطر عوامی تحریک کے لیے بیدار کریں۔ اسی راستے سے اسلامی انقلاب کی منزل سر کی جاسکتی ہے اور لادینیت کے سیلاب کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے غلبہ کے لیے اپنا تن من دھن لگانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

پریس ریلیز

حافظ عاکف سعید

فیس بک پر توہین آمیز خاکوں کا مقابلہ بدترین مذہبی دہشت گردی ہے

عالم اسلام کو احتجاجاً ان ممالک سے سفارتی اور کاروباری روابط منقطع کر دینا چاہئیں

1 فیس بک پر توہین آمیز خاکوں کا مقابلہ بدترین مذہبی دہشت گردی ہے۔ عالم اسلام کو احتجاجاً ان ممالک سے سفارتی اور کاروباری روابط منقطع کر دینا چاہئیں۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد جامع القرآن، ماڈل ٹاؤن لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرمؐ کی عظمت کا اعتراف آپؐ کے بدترین دشمنوں نے بھی کیا ہے، لہٰذا ان اوچھے ہتھکنڈوں سے آپؐ کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ دراصل اس طرح دشمن کی طرف سے امت مسلمہ کو ذلیل و رسوا کیا جارہا ہے کہ تم آج ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کے استہزاء اور اپنے نبیؐ کی گستاخی پر ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے دینی جرائم پر اللہ کی طرف سے ذلت و مسکنت کا جو عذاب آج ہم پر مسلّط ہے، دشمن کی طرف سے یہ ذلت و رسوائی اسی کا ایک مظہر ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ تنظیم او آئی سی اس بیچارگی کا شکار ہے کہ پاکستان میں اگر گستاخانہ خاکوں کا مقابلہ کروانے والی ویب سائٹ کے کچھ حصوں کو بلاک کیا گیا تو کہا گیا کہ یہ پاکستان کا انفرادی معاملہ ہے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ دور جدید میں عالم کفر کی ایک بڑی قدر رواداری ہے، یعنی کسی کمیونٹی کو ذہنی اذیت یا اس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا خلاف انسانیت فعل گردانا جاتا ہے۔ لیکن نائن الیون کے بعد امریکی فوجی اڈوں پر مجاہدین قیدیوں کو ذہنی اذیت دینے کے لیے قرآن مجید کی توہین کے بے شمار واقعات منظر عام پر آتے رہے ہیں۔ گویا مسلمانوں کے لیے ان کا کوئی اصول و قانون نہیں بلکہ مسلمانوں کو ذہنی اذیت دیئے جانے کو وہ آزادیٔ اظہارِ رائے کا نام دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امریکا سے سخت ترین الفاظ میں احتجاج کیا جاتا کہ مسلمانوں کی دل آزاری کا سلسلہ ختم کرائے وگرنہ اس کے ساتھ ہی ہر قسم کا تعاون بند کردیا جائے گا۔ لیکن افسوس عالم اسلام کی طرف سے کوئی بڑا ردعمل سامنے نہیں آیا۔ انہوں نے کہا ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہماری اس کمزوری کا سبب کیا ہے؟ ایک وقت وہ تھا جب سندھ کے راجہ داہر کو مسلمانوں کے ساتھ زیادتی کا جواب دینے کے لیے حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی سربراہی میں لشکر روانہ کر کے دنیا کو پیغام دیا تھا کہ کوئی کسی مسلمان کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کرے۔ حافظ عاکف سعید نے کہا اصل وجہ یہ ہے کہ آج دنیا میں 57 اسلامی ممالک میں سے کہیں اللہ کا دین قائم نہیں ہے۔ جب تک ہم نبی اکرم ﷺ کے مشن کی تکمیل یعنی دین حق کے غلبہ کے لیے اپنا جان و مال نہیں لگائیں گے، دنیا میں اسی طرح ذلیل و رسوا ہوتے رہیں گے۔ پاکستان میں بھی دینی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ الیکشن، ممبری، کرسی اور سیاست کی راہ ترک کر کے ملک میں نفاذِ اسلام کے لیے پرامن احتجاجی تحریک چلائیں کیونکہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد کسی کو مسلمانوں کے شعائر کا مذاق اُڑانے کی جرأت نہیں ہوگی۔ (21 مئی 2010ء)

کراچی میں ٹارگٹ کلنگ حد درجہ تشویشناک ہے

حکومت ذمہ داروں کا تعین کر کے انہیں عبرت ناک سزا دے

2 امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ کا سلسلہ ایک طویل عرصے سے جاری ہے جس کے نتیجے میں عام آدمی کے علاوہ تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کی قیمتی جانیں ضائع ہوتی ہیں لیکن 19 مئی کی ٹارگٹ کلنگ سب سے گھمبیر قرار دی جاسکتی ہے جس میں ایک ہی دن میں دو درجن سے زیادہ افراد اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور مزید یہ کہ ان میں عظیم اکثریت کا تعلق ایک خاص طبقے سے تھا۔ ایسے میں متحدہ قومی موومنٹ کی رابطہ کمیٹی کی جانب سے جاری شدہ بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پختون اور ہزارہ کے لوگوں کے درمیان تنازعہ کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر ان واقعات کی ذمہ داری کسی فرد یا جماعت پر ڈالنا محال نظر آتا ہے تاہم حکومت کو چاہیے کہ رابطہ کمیٹی کے مذکورہ بیان کی پشت پر مقاصد کا تعین کر کے ٹارگٹ کلنگ ذمہ داروں کا تعین کرے اور لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے والے ان عناصر کو عبرتناک سزا کا اہتمام کرے۔ (21 مئی 2010ء)

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی، پاکستان)

> ڈاکٹر صاحب کے تئیں ہمارا سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ان کے مشن قرآنی تعلیمات کے فروغ پر ساری توجہ مرکوز کرتے ہوئے مخلوق کی غلامی کا طوق اُتار کر خالقِ حقیقی کی غلامی اختیار کر کے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ سے ایک یادگار ملاقات

محمد مظفر خادم، سری نگر

''جو اس قرآن کی طرف لوگوں کو بلائے گا، کسی اور کو ہو نہ ہو، اُس کی ہدایت ہوگئی'' قلب و روح کو منور کرنے والی یہ گرج دار آواز خاموش ہوگئی۔ لیکن پیغام حق زندہ و تابندہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات، موت ہے اُس پر حرام

خود مرحوم و مغفور ڈاکٹر صاحب عموماً اُمت مسلمہ کے تئیں الطاف حسین حالی کا یہ مرثیہ:

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

اور اس کے مقابلے میں حکیم الامت علامہ اقبال کی یہ نوید پر بہار سناتے تھے:

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے!

اس حقیقت کے باوجود کہ اس دنیائے فانی میں جو آیا اُسے ایک نہ ایک دن فرمانِ خداوندی کے تحت داعی اجل کو لبیک کہنا ہے اور اس اٹل فیصلے سے کوئی فرار ممکن نہیں، حق یہ ہے کہ واجب الاحترام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مرحوم کی جدائی ایسا صدمہ جانکاہ ہے جس کو الفاظ کا جامہ پہنانا ممکن نہیں۔

1980ء میں اس ناچیز کو پہلی بار سعودی عرب جانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہاں ایک صاحب خیر دوست نے مجھے کچھ آڈیو کیسٹ دیئے جن میں سے چند ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقاریر تھیں۔ یہ اس عظیم عالم دین کے ساتھ میرا پہلا تعارف تھا۔ ان تقاریر کو سن کر مجھے محسوس ہوا کہ سمندر کی گہرائی سمیٹے یہ عالم بے بدل شاید کسی مسودے سے پڑھ رہے ہیں کیونکہ ان کی روانی میں کہیں سر موفرق نہیں آتا تھا، نہ ہی عام مقررین کی طرح آواز میں اُتار چڑھاؤ مخل ہوتا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا مجھ پر بے پناہ کرم رہا کہ مابعد کے مختلف ملکوں کے سفر کے دوران میں نے جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے دروس پر مشتمل تقریباً پانچ سو آڈیو کیسٹ اور کم و بیش ایک سو ویڈیو کیسٹ حاصل کر لئے۔ ویڈیو کیسٹ دیکھتے ہی یہ رائے غلط ثابت ہوئی کہ آپ کسی مسودے سے ''پڑھ'' رہے ہیں۔ یہ عظیم المرتبت عالم دین اپنے دل کی گہرائیوں میں نقش قرآنِ مقدس کی تعلیمات سے ہزاروں فرزندانِ توحید کو متواتر سیراب کرتے تھے۔

1985ء کے آس پاس میں نے ''الہدیٰ'' نام سے آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کی ایک لائبریری قائم کی جس میں اگرچہ اور علماء کے بیانات بھی تھے لیکن ڈاکٹر صاحب مرحوم ان سب پر حاوی تھے۔ میں ان کیسٹوں کی کاپی کر کے وادی (کشمیر) کے طول و عرض میں ان کے پہنچانے کا اہتمام کرتا رہتا۔ اس عمل کے دوران مجھے خود بھی یہ سارے پروگرام دیکھنے سننے کا موقع ملا جس سے خود میری معلومات میں اپنی استعداد کے مطابق اضافہ ہوا۔ (یہ اور بات ہے کہ میری اپنی کوتاہ عملی کی وجہ سے میں کبھی طفل مکتب کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکا۔)

ڈاکٹر صاحب کے ان دروس سے مستفید ہوتے ہوئے میرے دل میں ان سے ملاقات کی زبردست خواہش پیدا ہوئی۔ ایک بار میں دلی کی جامع مسجد کے علاقے سے گزر رہا تھا کہ ایک اشتہار پر نظر پڑی، جس میں ایک مقامی مسجد میں اُن کی تقریر کا اعلان تھا۔ لیکن تقریر کی تاریخ بیت چکی تھی۔ میں نے اطراف و اکناف میں ڈاکٹر صاحب کے کوائف کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔ بالآخر کسی صاحب خیر نے صلاح دی کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب سے ملا جائے۔ شائد وہ کچھ معلومات فراہم کر سکیں۔ میں مولانا کی خدمت میں پہنچا تو آپ بڑے تپاک سے ملے۔ میں نے فوراً مدعا عرض کیا تو آپ نے چائے سے تواضع کی۔ میں نے کچھ دیر کے بعد پھر گزارش کی تو آپ نے دین کے تعلق سے ہماری ذمہ داریوں کی نشان دہی فرمائی۔ پیمانۂ صبر جب لبریز ہوا تو میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ملنے پر پھر اصرار کیا تو مولانا نے اپنی گھڑی دیکھ کر فرمایا: ''ٹھیک اِس وقت ڈاکٹر صاحب کے طیارے نے پرواز بھری ہوگی!'' مایوسی اور حسرت بھرے جذبات لئے میں مولانا سے رخصت ہوا۔

شدتِ دید ہر نئی صبح کے ساتھ موجزن ہو جاتی۔ اللہ کو ہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ کب اور کہاں واقع ہو جانا چاہئے۔ 1995ء میں میرے امریکہ کے سفر کے دوران مجھے ایک کشمیری تاجر ایس ایم مقبول صاحب کے بارے میں پتہ چلا۔ میں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے فوری ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ میں اُن کے دفتر پہنچا تو دروازہ ایک باپردہ لڑکی نے کھولا۔ مقبول صاحب سے گفتگو کے دوران اندر کہیں سے مجھے کوئی مانوس آواز سنائی دی۔ فوراً ہی احساس ہوا کہ یہ تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی آواز ہے۔ میں نے اپنے میزبان سے جب اس بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ اُن کی دختر دن بھر ڈاکٹر صاحب کی تقاریر سنتی رہتی ہے۔ میں نے جب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اپنی سالہا سال کی ذہنی قربت کا ذکر کیا تو مقبول صاحب نے فوراً کہا کہ آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔ ڈاکٹر صاحب چند دن بعد امریکہ تشریف لا رہے ہیں اور پروگرام طے ہوتے ہی میں آپ کو مطلع کروں گا۔ دفعتاً مجھے محسوس ہوا کہ امریکہ کے میرے سفر میں میری زندگی کا سب سے بڑا خواب پورا ہونے کو جا رہا ہے۔

کچھ ہی دن بعد مقبول صاحب نے مجھے فون کیا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب آج ہی تشریف لا چکے ہیں اور فلاں جگہ کچھ حضرات میرا انتظار کر رہے ہیں جو مجھے ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جائیں گے۔ ہانپتا، کانپتا میں جائے مقررہ پر پہنچا۔ تنظیم اسلامی کے کچھ ارکان وہاں میرا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی گاڑی برق رفتاری کے ساتھ نیویارک کی گہما گہمی کو چیرتی ہوئی نیوجرسی کے قدرے پرسکون ماحول میں داخل ہوئی۔ میری قلبی کیفیت بھی گاڑی کی طرح کبھی برق رفتار اور کبھی مدہم پڑ جاتی۔ کچھ ہی دیر میں ہم ایک وسیع مکان میں داخل

ہوئے۔ مجھے سیدھا ڈرائنگ روم میں لے جایا گیا۔ پہلی نظر ......صوفے پہ تشریف فرما میرے محسن پر پڑی۔ سیاہ رنگ کے اچکن میں ملبوس، روائتی قراقلی پہنے ڈاکٹر صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ غالباً انہیں پہلے سے ہی میری آمد کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ بے تکلفی کے ساتھ بڑے تپاک سے ملے۔ میں اپنی قسمت پہ نازاں، اسے خوابوں کی تعبیر اور زندگی کی عظیم نعمت سمجھ رہا تھا۔ میں انہیں کے سامنے فرش پہ بیٹھا تو ڈاکٹر صاحب نے صوفے پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں نے متانت کے ساتھ استدعا کی کہ مجھے اپنا مقام معلوم ہے، مجھے اپنے قدموں میں ہی رہنے دیجیئے۔ ڈاکٹر صاحب نے وہ تیر مارا کہ اُسے ہدف پر لگنا ہی لگنا تھا۔ فرمایا: ’’آپ میرے کہنے سے صوفے پر بیٹھ جائیے۔‘‘ اب انکار کی جرأت کیسے ہوسکتی تھی۔ میں نے تعمیل کی اور سلسلۂ کلام شروع ہوا۔

ڈاکٹر صاحب نے کئی سوالات کیئے۔ ایک سوال تھا، آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں کیسٹ تیار کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے قدرے توقف فرمایا۔ غالباً سوچ رہے تھے کہ دَراز رِیش سے متصف یہ شخص کس طرح کے کیسٹ بناتا ہوگا۔ تو میں نے خود ہی عرض کیا کہ پندرہ سال قبل مجھے آپ کے کیسٹ دستیاب ہوئے ہیں اور میں بڑی تعداد میں انہی کی کاپی کر کے کشمیر میں عام کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ آج تک ہم متفکر تھے کہ بھارت کے زیر انتظام کشمیر میں ہم کچھ نہیں کر پا رہے ہیں، لیکن اللہ اپنے دین کو پھیلانے کا خود ہی بندوبست فرماتا ہے اور ہماری معلومات میں نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارا کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اب میں نے قدرے جرأت سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ میں چونکہ یہ کیسٹ بڑی تعداد میں کاپی کرتا ہوں، اس لئے میرے گھر میں ٹی وی سکرین پر آپ ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ میری شریکِ حیات جب دستر خوان بچھاتی ہیں تو کمسن بچے ان سے کہتے ہیں کہ ان مولوی صاحب کے لیے بھی ایک پلیٹ لگا دیں۔ یہ بھی تو دن بھر یہیں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تبسم فرمایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شکاگو میں ایک خطاب کے دوران انہوں نے اس کا ذکر بھی کیا تھا۔

اس کے بعد عشاء کی نماز ہوئی اور مجھے ڈاکٹر صاحب مرحوم کی اقتدا کا شرف حاصل ہوا۔ نماز کے بعد مجلسِ طعام میں بھی ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ دورانِ طعام انہیں محسوس ہوا کہ فرطِ جذبات میں، میں کھانے میں بخل برت رہا ہوں تو ایک شفیق باپ کی طرح اپنے دست شفقت سے میری شکم سیری کا اہتمام فرمایا۔

دو چار گھنٹے کی اس ملاقات کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مختلف النوع معاملات پر گوہر افشانی فرمائی۔ امریکہ میں مسلمانوں کے مسائل، برصغیر میں احیائے اسلام، مسئلہ کشمیر اور سب سے بڑھ کر من حیث القوم ہمارا ’’خیرالامت‘‘ ہونا اور اس تعلق سے ہماری ذمہ داریاں—— مسرور و شادماں، اس ملاقات کی خوشبوئیں سمیٹے جب میں وہاں سے رخصت ہوا تو میں اپنی استعداد بھر یہ سمجھ پایا کہ ان حضرت نے انسانی جسم کی طبابت و جراحی کا ظاہری طور نفع بخش پیشہ چھوڑ کر انسانی قلب و روح کو ایمان کی حلاوت اور تازگی عطا کرنے کا جو بیڑا اُٹھایا ہے اُس سے خود ان کے بقول کسی اور کی ہو نہ ہو، ان کی ابدی فلاح کا سامان ضرور میسر ہوا۔

علامہ اقبال نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں جو کچھ فرمایا، آج مجھے لگتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ہمارے لئے اسی طرح رفیق و شفیق تھے جیسے ایک والدہ اپنی اولاد کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اس لئے برجستہ یہ اشعار زبان پر رواں ہیں:

زندگانی تھی تیری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا!!
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا !
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے !
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

ڈاکٹر صاحب مرحوم کوئی روایتی مولوی نہیں تھے کہ ہماری دست بوسی سے انہیں کوئی مسرت ہوتی۔ اُن کا ایک مقدس مشن تھا کہ قرآنی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنا کر مسلمانانِ عالم اپنی دین اور دنیا کو سنواریں۔ ان کی آخری آرام گاہ ان شاء اللہ ضرور ان کے لیے راحت و فرحت کی جگہ ہوگی، لیکن ان کی روح کو مزید تسکین تب میسر ہوگی جب ہم ان کی فروزاں کردہ مشعل نور سے اپنی زندگی کے اندھیاروں کو مٹا دیں گے۔

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے محسنوں کے تذکرے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حمید الدین فراہی کے بارے میں ہمیشہ فرماتے تھے کہ انہی حضرات سے اُنہوں نے علمی استفادہ کیا اور علامہ اقبالؒ کے روح پرور پیغام نے ان کی خداداد صلاحیتوں کو جلا عطا فرمائی۔ اختلافی مسائل میں الجھنا ان کا شعار تھا ہی نہیں، ہاں اسلام کی بنیادی تعلیمات پر کوئی مصالحتی رویہ اختیار کرنا بھی ان کا شیوہ نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے تئیں ہمارا سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہی ہوگا کہ ان کے مشن کی آبیاری خلوص کے ساتھ کریں اور قرآنی تعلیمات کے فروغ پر ساری توجہ مرکوز کرتے ہوئے مخلوق کی غلامی کا طوق اُتار کر خالقِ حقیقی کی غلامی اختیار کر کے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیں۔ شاعرِ مشرق نے ایک ندا دی تھی ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی پوری زندگی خلافتِ اسلامیہ کی تاسیس کے لیے جدوجہد کرتے رہے، تاکہ وحدتِ فکر و عمل کے ساتھ دنیا کے ڈیڑھ ارب سے زائد فرزندانِ توحید اُس مقصد کی آبیاری کریں، جس کے لیے اللہ نے انہیں دنیا میں بھیجا ہے۔

دنیا بھر میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کے لاکھوں کروڑوں مداح ان کی جدائی کے غم میں اشکبار ہیں۔ اس ناچیز کی حیثیت ہی کیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں ابھی اپنی والدہ محترمہ کی جدائی کے غم سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اپنے اس عظیم محسن کی جدائی کے صدمے نے پہلے سے ناتواں کمر کو اور بھی خم دار بنا دیا۔ ہماری قوم میں سماجی بدعات کا جو سیلاب ہمیں خس و خاشاک کی طرح بہائے لئے جا رہا ہے، اُس کے خلاف میں نے جب بھی کوئی لب کشائی کی تو اُس میں بھی اصل محرک ڈاکٹر صاحب مرحوم کے افکار و خیالات ہوا کرتے ہیں۔ نکاح کے مقدس رشتے کو ہم نے خرافات کی نذر کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں مرحوم کا ایک مختصر کتابچہ ’’شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک‘‘ بے حد مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ احقر کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جہاں کہیں شادی بیاہ کی کوئی تقریب ہو، وہاں یہ کتابچہ پہنچایا جائے۔ اس صورت میں بھی ہم ڈاکٹر صاحب مرحوم کی روح کو تسکین پہنچا سکتے ہیں (باذن اللہ) کہ نکاح کو اسلامی اقدار کے مطابق سادہ بنائیں۔

آج ڈاکٹر صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ایسے پُرخلوص مصلح، عالمِ باعمل خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں۔ لگتا ہے کہ جیسے انہیں کے لیے کہا گیا ہو ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اللہ اس عظیم داعی کی خدمات کو قبول فرمائے۔ جنت کے اعلیٰ مقامات کا مکین بنا دے۔ زندگی میں اگر کبھی کوئی سہو و خطا ہوئی ہو، اُس سے درگزر فرمائے۔ اور ہمیں آپ کی تعلیمات سے عملاً مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رحلت کے بعد

تنظیم اسلامی کیا کرے؟

محمد عطاء اللہ صدیقی

یہ خیال کہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، سوہانِ روح اور بے حد کربناک ہے۔ مگر یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جسے قبول کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ وہ جسمانی طور پر اس دنیا میں نہیں ہیں مگر روحانی اور فکری طور پر ان لوگوں کی رگِ جاں سے بھی قریب ہیں جنھیں وہ اسلامی انقلاب کی آدرش عطا کر گئے۔ سبحان اللہ یہ ''خیال'' بھی کتنی بڑی نعمت ہے، اگر یہ درد اور غم کی آبیاری کرتا ہے تو اُمید اور ولولے بھی اسی سے زندہ رہتے ہیں، آدرش بھی ''اسی خیال'' سے فکری غذا بہم پہنچاتی ہے اور تحریکیں بھی اسی خیال کی قوت سے اپنا سفر جاری رکھتی ہیں۔ یہ خیال ہی تو ہے جس سے تغیر اور تسلسل کا چمن آباد ہے۔ یہ شاید مبالغہ نہ ہوگا اگر کہہ دیا جائے کہ انسانی وجود بھی اسی ''خیال'' کا ایک استعارہ اور رمز ہے۔ اسی رمزیت نے شاید سیاسی فلسفہ کے لٹریچر میں اس طرح کے جملوں کو تخلیق کیا ہے:

"The king is dead,
long live the king"

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آدمی مر جاتا ہے مگر ''انسان'' زندہ رہتا ہے۔ ذرا غور فرمائیے تو ''اشرف المخلوقات'' کا منصب بھی ''انسان'' کو عطا ہوا ہے، کسی ایک فرد یا آدمی کو نہیں اور پھر یہ ربِ ذوالجلال کی خلافت کی عظیم ذمہ داری بھی ''انسان'' کو عطا کی گئی۔ انسانیت ایک خیال، ایک تسلسل، ایک نیابت اور پھر ایک خلافت ہی کا نام تو ہے۔

اس ساری تمہید کا مقصود یہ ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں اور ہمیں حسنِ ظن ہے کہ وہ خلد آشیانی ہیں۔ مگر ان کی فکر زندہ ہے۔ ان کے نطق اور قلم سے نکلے ہوئے الفاظ زندہ ہیں۔ ان کی قائم کردہ جماعت باقی ہے، تنظیم باقی ہے اور انتظام باقی ہے۔ اسلامی انقلاب کا خواب ابھی زندہ ہے اور یہ عظیم نصب العین ہمیشہ زندہ رہنا چاہیے کیونکہ ہماری حیاتِ اجتماعی کا یہ مطلق جواز ہے۔

وہ جماعتیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے قائدین کی فکر اور تعلیمات سے ناقابلِ انفکاک رشتہ استوار رکھتی ہیں۔ ہم مسلمانوں کے آنکھوں کے نور اور دلوں کے سرور جناب رسالت مآب ﷺ جب ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی'' کی دُعا فرماتے ہوئے اپنے ربّ سے جا ملے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے گویا دُنیا اندھیر ہوگئی۔ حضرت عمرؓ جیسے عظیم صحابہ کرامؓ بھی وقتی طور پر ہوش و حواس کے توازن کو برقرار نہ رکھ سکے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکیمانہ اور نہایت مدبرانہ اور حقیقت پسندانہ طرزِ عمل نے مسلمانوں کی نوزائیدہ جمعیت کو منتشر ہونے سے بچا لیا اور توفیقِ ایزدی سے اپنے نبی مکرم ﷺ کے بتائے ہوئے رستے پر دوبارہ سے سفر جاری کر دیا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ہماری روشن تاریخ ہے جس سے ہر مسلمان واقف ہے۔

ہم جو مسلمان ہیں، ہمیں رسالت مآب ﷺ اور ان کے ہدایت یافتہ صحابہ کرامؓ کی سنت اور فکر کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے۔ ہدایت اور کامیابی کا راستہ یہی ہے۔ ایمان کے تحفظ اور اسلام کی مدافعت اگر دورِ حاضر میں ہو سکتی ہے تو اسی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے ہو سکتی ہے۔ ہر متبادل رستے میں گمراہی بال کھولے پڑی ہے اور صراطِ مستقیم سے گمراہ کرنے کے لیے جال تانے کھڑی ہے۔ اس سے بچنا ہی حکمت و دانش مندی کا تقاضا ہے۔

تنظیم اسلامی اس اعتبار سے خوش قسمت ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے وقت اسے امارت یا قیادت کے خلا کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اُن کی زندگی میں حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کو امیر منتخب کر لیا گیا تھا اور اراکینِ تنظیم اُن کی امارات میں یکسو ہیں۔

یہ ذمہ داری تنظیم اسلامی کے امیر اور شوریٰ کی ہے کہ وہ نئے معروضی حالات میں تمام ضروری عوامل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایسا لائحہ عمل اور جامع حکمتِ عملی بھی وضع کرے جو دستیاب مالی و افرادی وسائل کی رُو سے قابلِ عمل بھی ہو۔ خیر خواہی کے جذبات کے تحت کچھ تجاویز ہیں جو میں سمجھتا ہوں زیرِ غور رہنی چاہئیں۔

1۔ تنظیم اسلامی کو فوری طور پر بڑے پیمانے پر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی یاد میں تعزیتی ریفرنس اور اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں۔ یہ اجتماعات لاہور، کراچی، ملتان، راولپنڈی اور بیرونِ ملک مختلف شہروں میں منعقد ہونے چاہئیں۔ ان ریفرنسوں میں تمام اسلام پسند دینی جماعتوں اور تنظیموں کے قائدین اور نمائندوں کو شرکت کی دعوت دینی چاہیے۔ ان پروگراموں میں اصل ایجنڈا ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، افکار اور خدمات ہی رہنا چاہیے، مگر نہایت حکمت سے تنظیم اسلامی کے دیگر جماعتوں سے روابط کی بحالی و استحکام کے مقصد کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔ ان پروگراموں کے انعقاد کے لیے جس حد تک ممکن ہو ذرائع ابلاغ کا تعاون حاصل کیا جائے اور اس کے لیے ذاتی سطح پر کاوشیں کی جانی چاہئیں۔ مقررین میں دینی قائدین، دانشور، صحافی، وکلا، پروفیسرز، ڈاکٹرز وغیرہ طبقات کو شامل کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو لاہور کے پروگرام میں ڈاکٹر ذاکر نائیک کو بطور مہمان خصوصی یا صدرِ مجلس کے طور پر مدعو کیا جائے اور ان کی آمد کی عوام الناس میں مناسب تشہیر کی جائے۔

2۔ اصل ہدف تو اسلامی انقلاب اور شریعتِ اسلامی کا حقیقی نفاذ ہی رہنا چاہیے مگر موجودہ معروضی حالات کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں لادینیت (سیکولرازم) اور سیکولرائزیشن کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے مؤثر حکمت عملی اختیار کی جائے۔ اسلامی شریعت کے فوری نفاذ کے مطالبے سے زیادہ ردِ لادینیت کی مہم برپا کرنے کی فوری ضرورت ہے۔ ابھی تک حالات اس قدر مایوس کن نہیں ہیں مگر منظر اس قدر تیزی سے بدل رہا ہے کہ وہ وقت دور نہیں ہے جب یہاں اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والی ہر جماعت پر پابندی عائد کر دی جائے۔ ایسے حالات خدانخواستہ پیدا ہو گئے تو پھر انھیں Reverse کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وقت ذرائع ابلاغ پر مذہب دشمن، لادینیت پسند، لبرل فاشسٹوں اور فحاشی کے علمبرداروں کا قبضہ ہے۔ پاکستان کی پوری تاریخ میں اسلام کے خلاف اس قدر

بے باکانہ انداز میں بات کبھی نہیں کی جاسکتی تھی جیسے کہ اب کی جارہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا میں فحاشی کی اِس قدر آزادانہ نشر و ترویج کا مشاہدہ بھی کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ پاکستان کے مسلمانوں کا ایمان خطرے میں ہے۔ غیر شعوری طور پر آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان کے اشتہارات، ڈراموں اور موسیقی کے پروگرام ہمارے معاشرے میں فحاشی پھیلا رہے ہیں۔ اہلِ پاکستان بالخصوص نوجوان نسل کے ذہنوں کو اسلام سے دور کیا جارہا ہے۔ ان ٹی وی چینلز پر سیکولر، لبرل اور اسلام دشمن صحافیوں کا مکمل کنٹرول ہے۔ اسی لیے اسلام پسندوں کو یہ کوریج نہیں دیتے۔ ایسے حالات میں ہر اسلام پسند یہ خواہش رکھتا ہے کہ ایک ایسا ٹی وی چینل قائم ہو جس میں اسلام اور اسلامی سوچ کو نہ صرف آگے بڑھایا جائے بلکہ لادینیت پسندوں کے زہریلے پراپیگنڈے کا مؤثر جواب بھی دیا جائے، فحش کلچر کو فروغ دینے والوں کا محاکمہ کیا جائے اور اسلامی کلچر کو پروان چڑھایا جائے۔ دینِ اسلام کے دشمنوں کے خلاف متحد ہو کر نہایت زوردار اور جارحانہ انداز میں ان کی فکری خباثتوں کو عوام کے سامنے لایا جائے۔ یہود و ہنود کی سازشوں کی قلعی کھولی جائے اور اسلام کے حق میں ہر وہ بات کی جائے جسے ہمارا میڈیا نظر انداز کر رہا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں ''الجزیرہ'' ٹی وی کسی حد تک یہ کام کر رہا ہے۔ یہ کام کوئی آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے انسانی وسائل کے علاوہ کروڑوں روپے کی ضرورت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر تنظیم اسلامی اور دیگر دینی جماعتوں سے وابستہ یا ان کے ہمدرد تاجر اور صنعت کار مل کر ایک کنسورشیم بنا لیں تو وہ مطلوبہ رقم کم از کم پہلے سال کے لیے مہیا کر سکتے ہیں۔ پہلے سال کا تخمینہ پانچ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے۔ ہمارے ایسے صنعت کار اور تاجر بھائی جو خدا کے فضل سے کروڑ پتی یا شاید ارب پتی ہیں، انھیں اس تجویز پر ضرور غور کرنا چاہیے۔ یہ ایک فرضِ کفایہ ہے جس کی ادائیگی ان جیسے افراد کو ضرور کرنی چاہیے۔

> اصل ہدف تو اسلامی انقلاب اور شریعتِ اسلامی کا حقیقی نفاذ ہی رہنا چاہیے مگر موجودہ معروضی حالات کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں لادینیت کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے مؤثر حکمتِ عملی اختیار کی جائے

سیکولرازم اس ''اسلامی جمہوریہ'' کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ آئین میں موجود ''اسلامی دفعات'' اس بڑھتے ہوئے خطرے کے سدّباب کے لیے واحد ضمانت نہیں ہیں۔ اس وقت عوام سے زیادہ عوامی قیادت کو اسلام کے دائرے میں رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے ہر ممکن کوشش بروئے کار لانے کی ضرورت ہے۔ اسلام پسند مصنّفین کو متحد کر کے اُردو اور انگریزی میں ردِّ لادینیت کے موضوع پر وسیع لٹریچر کی تخلیق اور اشاعت وقت کا اہم تقاضا ہے۔ لادینیت پسندی کو رقصِ ابلیس کی کھلی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ وقت آگیا ہے کہ نئے ولولے اور جدید ابلاغی قوتوں کے ساتھ ان کے خلاف ''قلمی جہاد'' برپا کر دیا جائے۔ اس بارے میں ساری دین پسند قوتوں کو ملا کر تحریک چلائی جائے۔ اسلام پسند صحافیوں اور دانشوروں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے۔ ایک مفصل Concept paper ترتیب دیا جائے کہ اس کام کو کس طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں ایک ''تھنک ٹینک'' تشکیل دینا بھی مناسب ہوگا۔

3۔ پاکستان میں اس وقت 80 سے زیادہ پرائیویٹ ٹی وی چینل کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے 20 کے قریب ایسے چینلز ہیں جو ناظرین میں مختلف تناسب سے مقبول ہیں۔ سرکاری PTV کے کئی چینلز اس کے علاوہ ہیں۔ پاکستان میں سب سے زیادہ مقبول ٹی وی چینل جیو (Geo) ہے۔ ایکسپریس، دُنیا، اے آر وائی، اے ٹی وی، سماء وغیرہ اس کے بعد آتے ہیں۔ یہ تمام چینلز دولت بنانے کی دوڑ میں شامل ہیں۔ ان کے سیاسی پروگراموں میں لبرل اور سیکولر پالیسی غالب ہے۔ یہ استعمار اور اسلام دشمن قوتوں کی پالیسیوں کو شعوری اور

تنظیم اسلامی کو اس معاملے میں مشاورت کے ذریعے منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ اگر تنظیم کسی بھی درجے میں اس اہم کام کا آغاز کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اہلِ پاکستان کی عظیم خدمت شمار کی جائے گی۔

4۔ ڈاکٹر صاحب کی منتخب تحریروں پر مشتمل ایک جامع کتاب شائع کی جائے جو ان کی فکر کے اہم پہلوؤں کے مفصل تعارف پر مبنی ہو۔ اس کتاب کی عوام الناس میں پذیرائی کے لیے تقاریب رونمائی کا اہتمام کیا جائے۔ یہ کتاب اس انداز میں ترتیب دی جائے کہ اسے ڈاکٹر صاحب کی فکر کا انسائیکلوپیڈیا کہا جاسکے۔

بہت سی باتیں اور بھی ہیں جو تجاویز کی صورت میں پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن فی الحال مذکورہ بالا تجاویز پر اِکتفا کرتے ہوئے اس مضمون کو یہیں پر ختم کرتا ہوں۔ اُمید ہے ان معروضات اور گزارشات کو لائقِ التفات سمجھا جائے گا۔

حرفِ تحسین

''قرآن کے اَسرار کا تھا کاشفِ تفسیر''

جاوید باٹاپوری

رحلت سے امر ہوگیا اک گوہرِ یکتا
قرآن کے اُسرار کا تھا کاشفِ تفسیر

رگ رگ میں بسائے ہوئے ایماں کی محبت
پیغام اخوت کا سناتی ہوئی تقریر

تھا سینہ سپر عظمتِ اسلام کی خاطر
ناموسِ رسالت کے لیے برہنہ شمشیر

تنفیذِ شریعت کا تھا وہ داعئ دوراں
کوشاں رہا اس جہت میں لائے کوئی تدبیر

جانے تھا خلافت کو صحیح طرزِ حکومت
چاہے تھا خلافت کی عمارت کرے تعمیر

صدیوں سے زخم خوردۂ عیارئ مغرب
دو ٹوک یہ کہتا تھا کہ توڑے کوئی زنجیر

غمگیں تھا کہ ہم کھو چکے ہیں عظمتِ اولیٰ
اقدار کی، کردار کی دھندلا گئی تصویر

مانے گا زمانہ بھی کبھی اُس کی صدا کو
کرتا رہا تا مرگ بلند نعرۂ تکبیر

قوموں کی امنگوں میں تلاطم ہو، نہ دم ہو؟
اس طرح بدلتی نہیں اقوام کی تقدیر!!

''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!''
وہ راہِ ہدایت کی ہمیں دے گیا تنویر

انقلاب ہمیشہ استحصال زدہ عوام ہی برپا کرتے ہیں

آج ہمارے ملک کے حالات ماضی کے ایرانی، فرانسیسی، امریکی اور یورپی انقلابات سے قبل کے حالات کے عین مطابق ہیں

انگریزی روزنامہ "The News" سے ماخوذ صابر شاہد کے مضمون کا اردو ترجمہ

مترجم: سید محمد افتخار احمد

فرانسیسی، ایرانی اور امریکن انقلابات کی وجوہات کا گہرا مطالعہ پاکستانی ارباب اختیار کے لیے سوچنے کا اہم موقع فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ موجودہ بے چینی کے طوفان جو خیبر سے کراچی تک استحصال زدہ عوام کے جم غفیر کو گھیرے ہوئے ہیں بعینہٖ ان مشہور انقلابات کا باعث بنے تھے۔ عوام کا اپنے لیڈروں کے ہاتھوں استحصال، بڑھتا ہوا افراطِ زر، انسانی حقوق کی عام پامالی، قانون میں تفریق، عوام کے مال پر غاصبانہ قبضہ، لوٹ کے مال کا بے دریغ استعمال، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، ظالمانہ جاگیرداری نظام، اشیائے خوردنی کی نایابی یا ان کی آسمان سے چھوتی قیمتیں، غیر مساویانہ اور روز افزوں بڑھتے ہوئے ٹیکس وغیرہ ہی وہ وجوہات تھیں جو ان مشہور انقلابات کا باعث بنیں۔ اور آج ہو بہو یہی صورتحال ہمیں درپیش ہے)۔

اگر ہم چند تاریخی انقلابات کا بغور جائزہ لیں، ان کے اسباب کا مطالعہ کریں اور ظالم و جابر حکمرانوں کے ہتھکنڈوں کو فرانس، ایران یا امریکہ کے انقلابات کے تناظر میں دیکھیں تو احساس ہوگا کہ اگر وہاں غربت، معاشی تفریق اور غیر مساویانہ معاشرتی حالات نہ ہوتے تو یہ انقلابات کبھی نہ آتے۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ افسردگی و افلاس ہی ان انقلابات کی ماں تھی۔ یہ عام لوگ ہی تھے جو ہر موقع پر اپنے خبیث حاکموں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے جو عیاشی کی زندگی گزار رہے تھے۔

1979ء کا ایرانی انقلاب آیت اللہ خمینی کی قیادت میں رضا شاہ پہلوی اور اس کے کرپٹ، استحصالی، عیاش، بدمعاش اور شراب نوش ٹولے کے خلاف تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خمینی کا مغرب کے خلاف رویہ، شاہ کی مغرب پسند پالیسیوں نے اس انقلاب کو مہمیز لگائی لیکن تاریخ کا یہ تیسرا بڑا انقلاب امیر اور غریب کے درجہ میں بہت زیادہ فرق کی وجہ سے پیدا ہوا اور اس میں مزید تیزی معاشی افراطِ زر کی وجہ سے آئی۔ 1973-74ء میں تیل کے بحران نے مزدوروں کو بے روزگار کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی احتجاجی تحریک میں شامل ہوگئے۔ 1976ء میں شاہ کی حکومت نے افراطِ زر کو کم کرنے کے لیے کچھ سخت احکامات جاری کیے جس سے بے روزگاری میں اور اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ یہ سب لوگ انقلاب کا باعث بنے۔ 1978ء میں انقلاب ظاہر ہونا شروع ہوگیا۔ شاہ نے فوج کو حکم دیا کہ وہ انقلابیوں کو دبائے۔ نتیجتاً بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان حالات میں شاہ نے امریکہ سے مدد کی اپیل کی مگر بے سود۔ شاہ انسانی حقوق کے سلسلہ میں یورپ میں بدنام ہو چکا تھا۔ چنانچہ شاہ کو 1979ء میں ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ انقلاب ایران مکمل ہوگیا اور خمینی نے اقتدار سنبھال لیا۔

فرانسیسی انقلاب (1789-1799) میں حکومت اور کیتھولک چرچ کے خلاف بغاوت ہوئی۔ نتیجتاً جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہوگیا۔ اس میں بھی جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظالمانہ استحصالی نظام کے خلاف عام بے چینی، انتقامی جذبہ اور غریبوں کی دولت پر غاصبانہ قبضہ پر غصہ انقلاب کا باعث بنا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں فرانس شدید معاشی بحران کا شکار ہوگیا۔ بادشاہ لوئس شانز دھم نے معاشی ماہرین سے رائے لی جنہوں نے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ ٹیکس بڑھا دیے جائیں۔ بادشاہ نے مجبوراً امراء پر بھی ٹیکس لگا دیا، مگر انہوں نے ادا نہ کیا۔ کسان جو پہلے ہی ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، مزید بوجھ برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ بغاوت کی صدا بلند ہونے لگی۔ 1789ء میں بادشاہ نے کسانوں سے جاگیرداروں کے ذریعے ٹیکس وصول کیا۔ ہر طرف ظلم و ستم شروع ہوگیا۔ صنعتی مزدور بھی اسی طرح دبائے جا رہے تھے۔ کسانوں نے جاگیرداری نظام کے خلاف بغاوت کر دی۔ صنعتی مزدور بھی مل مالکان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح فرانس میں انقلاب برپا ہوگیا۔ بادشاہ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن اس پر بغاوت کا مقدمہ چلا اور اُس نے سزا پائی۔ اس پر بقیہ یورپ کے کان کھڑے ہوگئے۔ اِردگرد کے ملکوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ فرانسیسی انقلاب ان کے ملکوں کا بھی رُخ نہ کر لے۔ فرانس میں بادشاہت ختم ہوگئی، اور وہاں عوامی حاکمیت قائم ہوگئی اور یوں جمہوری انقلاب تکمیل کو پہنچ گیا۔

امریکی انقلاب (1775-82) اس وقت شروع ہوا جب 13 شمالی امریکی ریاستوں نے برطانوی گورنر کے خلاف بغاوت کر کے برطانوی بادشاہت کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا۔ برطانوی حکام نے وہاں کی لوکل حکومتوں کو ختم کر کے شاہی قانون کے نفاذ کا اعلان کر دیا اور وہاں اپنی لڑاکا فوج بھیج دی۔ جس کے نتیجہ میں وہاں (1975ء کو) امریکی انقلابی ملیشیاء بنکر ہل اور برطانوی فوج میں باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی۔ برطانوی وزیر اعظم جارج گرین وِل نے بقیہ امریکی کالونیوں میں چینی اور کاغذ پر مزید ٹیکس لگا دیا، جس پر انہوں نے احتجاج کیا اور برطانیہ سے مال منگوانا بند کر دیا۔ 1767ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے کاغذ، رنگ، شیشہ اور چائے پر مزید ٹیکس لگا دیئے۔ اس پر بغاوت کا آغاز ہوگیا۔ 1768ء میں تمام امریکی شہروں میں فوج پھیل گئی۔ باغیوں اور فوج میں لڑائی کے دوران ہزاروں لوگ مارے گئے۔ 1773ء میں امریکیوں نے بوسٹن بندرگاہ پر کھڑے ایسٹ انڈیا کمپنی کے چائے کے جہازوں سے تمام چائے سمندر میں پھینک دی۔ تمام امریکی ریاستوں نے ضروری خوراک کی اشیاء بوسٹن بھیج کر اپنے امریکیوں کی مدد کی۔ 1776ء میں امریکی کانگرس نے اپنی آزادی کے اعلان کے لیے ووٹنگ میں حصہ لیا۔ تھامس جیفرسن نے امریکہ کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ایک آزاد ملک ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) وجود میں آ گیا۔

1848ء کا یورپی انقلاب بھی اسی طرح تھا۔ یہ بنیادی طور پر مزدور تھے جنہوں نے اس انقلاب کا نعرہ بلند کیا۔ جس نے پھر پورے یورپ کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ خاص مزدور زیادہ تر بڑے شہروں جیسے پیرس، لندن اور ویانا میں ہی رہے۔ ان کی حالت بہت خوفناک تھی۔ یہ بہت زیادہ کام کرنے والے مگر بہت کم اجرت پانے والے لوگ تھے۔ 1845-47ء میں ایک شدید مالی بحران پیدا

(باقی صفحہ 15 پر)

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین لاہور کا ماہانہ دعوتی اجتماع

اُمِ عبدالواحد

یکم مئی 2010ء کو تنظیم اسلامی حلقۂ خواتین کے زیر اہتمام قرآن آڈیٹوریم لاہور میں خواتین کا ماہانہ اجتماع منعقد کیا گیا۔ یہ اجتماع بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (مرحوم ومغفور) کی وفات کے بعد ہوا، اس لیے اس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شخصیت اور دینی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔

پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک اور اُس کے ترجمے سے ہوا۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کی نائب ناظمہ اَمۃُ المعطی صاحبہ نے پروگرام کا شیڈول بتایا۔ انہوں نے سب سے پہلے کلثوم صاحبہ کو گفتگو کی دعوت دی۔ کلثوم صاحبہ نے شاندار الفاظ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا، اور اُن کی دینی خدمات کو سراہا۔ اُن کے بعد ڈاکٹر صاحب مرحوم کی نواسی وردہ احمد نے ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے ایک خوبصورت اور پُر اثر نظم پیش کی۔ راقمہ نے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور کے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کہ آج بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن اُن کا مشن زندہ ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جس نبویؐ مشن کی طرف انہوں نے ہمیں بلایا، اُسے لے کر آگے بڑھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے تو دعوت اور اقامت دین کا جو کام کرنا تھا، وہ اچھے انداز سے کر چلے۔ اُن کی ساری زندگی دین کی اقامت اور سربلندی کے لیے وقف رہی۔ سترہ سال پہلے کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے میں نے پروگرام میں شریک بہنوں کو بتایا کہ آج مجھے 1993ء میں جب اسی قرآن آڈیٹوریم میں درس سننے کا اتفاق ہوا تو میں ڈاکٹر صاحب کے درس سے اِس قدر متاثر ہوئی کہ روتی ہوئی ہال سے نکلی، اور مجھے اپنی دل کی دنیا بدلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ مجھے ایسے لگا جیسے میں اندھیروں میں اکیلی کھڑی تھی اور مجھے اچانک روشنی نظر آنے لگی ہے۔ یہ سب میرے اللہ کا فضل تھا اور میرے ماں باپ کی دُعائیں میرے شاملِ حال تھیں کہ اللہ نے ڈاکٹر صاحب کے ذریعے مجھے دین کی طرف موڑا۔

اس کے بعد رخسانہ بی بی نے جو ڈاکٹر صاحب کی فیملی سے بڑی عقیدت رکھتی ہیں، ڈاکٹر صاحب کے دروس اور دین کی اقامت کے لیے اُن کی کوششوں پر انہیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب وہ واحد شخص تھے جن سے میں بے حد متاثر ہوئی ہوں۔ اُس کے بعد سمیہ خاں نے ڈاکٹر صاحب کے متعلق اظہارِ خیال کیا۔

اب اَمۃُ المعطی صاحبہ نے ہال میں موجود خواتین کو اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ زوجہ ڈاکٹر عارف رشید نے جو ڈاکٹر صاحب مرحوم کی بڑی بہو بھی ہیں، کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنا تن من دھن دین کے لیے لگا دیا۔ وہ ہمیں غلبۂ دین کے مشن کی آگاہی دے کر رخصت ہو گئے۔ اب ہمیں اپنی فکر کرنا ہے کہ کیسے اس مشن کو لے کر آگے چلیں۔ اپنی گفتگو کے آخر میں اُنہوں نے ڈاکٹر صاحب کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے دُعا کی۔

تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید صاحب کی زوجہ محترمہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ پہلے تو میرے شوہر کو ایک تسلی سی تھی کہ ڈاکٹر صاحب موجود ہیں اور کام ہو رہا ہے، مگر اب اُنہیں ایسا لگ رہا ہے، جیسے اب ساری ذمہ داری ان کے کندھے پر آن پڑی ہو۔

تیسری اور سب سے چھوٹی بہو نے بھی بڑے اچھے الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے تایا ہی سے نہیں بلکہ اپنے روحانی باپ سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کی دُختر نے بھی اپنے دادا جان کی حیات و خدمات کے بارے میں اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ دادا جان محترم ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ایک باعمل انسان تھے۔ اُن کی پوری زندگی دین کی اشاعت وقیام کی جدوجہد میں گزری۔ بابا جان نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں اور بہترین موضوعات پر لکھیں جو نہایت مدلل اور جامع ہیں۔ سیرت النبیؐ کے حوالے سے بابا جان کے خطاباتِ جمعہ پر مشتمل کتاب ”منہج انقلاب نبویؐ“ حد درجہ فکر انگیز ہے، جس کے مطالعے سے سیرت النبیؐ کو اصل تناظر کو سمجھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے شریک خواتین پر زور دیا کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ اس سے اُن کے علم میں مفید اضافہ ہوگا۔ آخر میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور دُعا کی کہ جیسے اُنہوں نے اپنی زندگی دین کے لیے وقف کر رکھی تھی، اللہ ہمیں بھی توفیق دے کہ ہم اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دینی خطوط پر زندگی بسر کریں، اور آخرت میں سُرخرو ہو سکیں۔ آمین

☆☆☆

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں مقیم فیملی کو اپنی بیٹیوں، کینیڈین نیشنلٹی ہولڈر، دراز قد، گھریلو امور میں ماہر، عمر 31 سال، تعلیم بی ایس سی، خلع یافتہ — عمر 29 سال، تعلیم 12 گریڈ کے لیے تعلیم یافتہ، برسر روزگار اور دینی مزاج کے حامل نوجوانوں کے رشتے درکار ہیں۔ صرف والدین رابطہ کریں۔ برائے رابطہ: 0322-4091151
0347-6597667

دعائے صحت کی اپیل

تنظیم اسلامی لانڈھی کراچی کے امیر ابوذر ہاشمی ایک حادثہ میں زخمی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں تندرستی عطا فرمائے۔ رفقاءِ تنظیم اور قارئین سے بھی اُن کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

- صدر انجمن خدام القرآن سندھ جناب اعجاز لطیف کی چچی (جو ان کی خوش دامن بھی تھیں) انتقال کر گئیں
- حلقہ کراچی جنوبی کے رفیق سلمان جاہ کے بڑے بھائی وفات پا گئے
- حلقہ کراچی جنوبی کے ملتزم رفیق غلام حسین دل کے بیٹے کا انتقال ہو گیا
- حلقہ کراچی جنوبی کے رفیق طاہر الیاس کے چچا وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین ومرحومات کی مغفرت فرمائے۔ رفقاء وقارئین سے بھی دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اسلام خائف گروہ نے طالبان کو بدنام کرنے کی گھناؤنی مہم چلائی

طالبان کا ایک 'جرم' یہ تھا کہ وہ امریکی مفادات کے لیے استعمال ہونے کو تیار نہ تھے

القاعدہ، اکیسویں صدی کا سب سے بڑا جھوٹ؟

ترجمہ: محمد فہیم

عابد اللہ جان کی معرکہ آرا کتاب

"Afghanistan: The Genesis of the Final Crusade" کا قسط وار اُردو ترجمہ

مغربی دُنیا طالبان کے متعلق حقیقت اور افسانے کے درمیان جیسی صورت حال سے دوچار تھی، جیسا کہ گارڈین اخبار نے لکھا ہے۔ طالبان کے ساتھ امریکی حکام کا رویہ اُس کے سٹرٹیجک مفادات کے تابع رہا۔ سی این این نے خبر دی کہ امریکہ طالبان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہے، لیکن وہ خواتین کے ساتھ طالبان کی زیادتیوں کی وجہ سے اس خواہش کا برملا اظہار نہیں کرسکتا، لہٰذا وہ ان تعلقات کو استوار کرنے کے لیے خفیہ طور پر کام کرنا چاہتا ہے۔

کارپوریٹ دُنیا کا سب سے بڑا الجھاؤ یہ ہے کہ وہ طالبان کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کے لیے اُن سے روابط چاہتی ہے، تاہم وہ کھلے عام اس طرف پیش قدمی اس وجہ سے نہیں کرسکتی کہ انھیں اپنے عوام کے ردِعمل کا خدشہ ہے کیونکہ طالبان کی بہت بڑے پیمانے پر بدنامی کی جاچکی ہے۔ اور عوام ان کے ساتھ روابط نہیں چاہیں گے۔ کارپوریٹ دُنیا کا اصل مقصد دُنیا کے قدرتی وسائل کو کنٹرول کرنا ہے اور یہی سوچ اسلام مخالف قوتوں نے بھی اپنائی ہے۔ یہ قوتیں چاہتی ہیں کہ طالبان کی اسی طرح بدنامی ہوتی رہے۔ اسلام خائف قوتوں نے طالبان کو بدنام کرنے کی جو مہم چلا رکھی تھی وہ اتنی مؤثر تھی کہ بہت کم لوگ اس میں غیر جانبدار رہ سکے۔

اس سے پہلے کہ اس کی تفصیل پیش کی جائے کہ کس طرح اکثر مبصرین حقیقت اور افسانے کے درمیان گم ہوگئے، ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ کارپوریٹ دُنیا کس حد تک غیر جانبدار رہی تھی، اور اس پروپیگنڈا مہم نے کس طرح اسے طالبان کے خلاف اپنی سوچ کو بدلنے پر مجبور کردیا۔

24 اکتوبر 1996ء کو مشہور جرمن روزنامے "Frankfurter Rundschau" نے لکھا کہ ''UNOCAL کو کابل میں نئے اقتدار حاصل کرنے والوں نے ترکمانستان سے پاکستان تک افغانستان کے راستے پائپ لائن بچھانے کی اجازت دے دی ہے۔ یہ پائپ لائن بحیرۂ کیسپیئن پر واقع کراسنووڈسک (Krasnovodsk) سے بحیرۂ ہند کے ساحل پر واقع کراچی تک بچھائی جائے گی۔ اس مضمون میں جنیوا میں مقیم یو این سفارتکاروں کے اس خیال کا تذکرہ تھا کہ افغانستان کی جنگ ترکی، ایران، پاکستان، روس اور امریکہ کے مابین بحیرۂ کیسپیئن کے تیل و گیس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے باہم مقابلے کا نتیجہ ہے۔ UNOCAL کے علاوہ دوسری کمپنیاں جو کیسپیئن تیل کو نکالنے میں بے حد دلچسپی لیتی تھیں، ان میں AMOCO، Chevron، BP، EXXON اور Mobile شامل تھیں۔

کارپوریٹ مفادات کے حامل اخبار ''وال سٹریٹ جرنل'' نے اپنی 23 مئی 1997ء کی اشاعت میں لکھا کہ امریکہ اور دیگر مغربی اشرافیہ کی افغانستان میں اصل دلچسپی یہ ہے کہ اسے وسطی ایشیا کے تیل، گیس اور دوسری معدنیات کے وسیع ذخائر کی برآمد کے لیے ایک اہم شاہراہ کے طور پر استعمال میں لائے''۔ اخبار نے اسلام مخالف عناصر کے طالبان مخالف پروپیگنڈا کے علی الرغم بات آگے بڑھاتے ہوئے لکھا: ''تم انھیں چاہو یا نہ چاہو، طالبان ہی اس کھیل میں وہ کردار ہیں، جو تاریخ کی اس گھڑی میں افغانستان میں امن قائم کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔''

کارپوریٹ دہشت گردوں کی قوالی میں آواز ملاتے ہوئے ''نیویارک ٹائمز'' نے انہی کارپوریشنز کی حمایت یافتہ انتظامیہ کے نقطہ نظر کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی اشاعت بابت 26 مئی 1997ء میں لکھا ''کلنٹن انتظامیہ کو یقین ہے کہ طالبان کی فتح ایران کی قوت کو زائل کرنے کا سبب بنے گی۔ اس سے تجارت کی نئی راہوں کے امکانات پیدا ہوں گے، جس کی وجہ سے خطہ میں روس اور ایران کے اثر ورسوخ میں کمی واقع ہوجائے گی''۔

کیلی فورنیا یونیورسٹی میں تاریخ اور سوشیالوجی کے پروفیسر فرانز شرمن نے انتظامیہ اور کارپوریٹ محاذوں کے اتحاد اور واشنگٹن کی طرف سے طالبان کی حمایت پر اپنے تاثرات دیئے ہیں۔ اس نے مئی 1996 کے UNOCAL کے اعلان کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ''وہ ایک پائپ لائن کی تعمیر کی تیاری کررہا ہے جو مغربی افغانستان کے راستے ترکمانستان پاکستان کو قدرتی گیس سپلائی کرنے کے لیے استعمال ہوگی۔ اس کی تعمیر کے لیے طالبان کی واضح فتح کو اس نے بطور دیباچہ قرار دیا''۔

سٹیو کول نے اپنی کتاب 'Ghost Wars' میں لکھا ہے کہ ''مارٹی ملیر (یونوکال کے پائپ لائن پراجیکٹ کا انچارج) صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ ''یونوکال آخری حد تک افغان سیاست میں غیر جانبدار رہا۔ مارٹی ملیر اور اس کے رُفقائے کار کو اُمید تھی کہ کابل پر طالبان کا قبضہ اُن کے پائپ لائن منصوبہ کے لیے گفت وشنید کو تیز کرے گا۔'' کول کا اشارہ ستمبر 1996ء کی طرف ہے جب طالبان نے سعودی عرب اور پاکستان کی بہت بڑی مالی امداد کے ساتھ احمد شاہ مسعود کو بھگانے کے بعد دارالخلافہ کابل پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جیسا کہ احمد رشید لکھتا ہے کہ ایک یونوکال ایگزیکٹو نے بتایا کہ ''اب پائپ لائن پراجیکٹ پر کام شروع کرنا آسان تر ہوگا کیونکہ اب کابل پر طالبان کا قبضہ ہوچکا ہے۔''

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون نے اپنی 26 ستمبر 1998ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ ''1998ء میں کلنٹن انتظامیہ نے طالبان کے ساتھ ترکمانستان سے افغانستان اور پاکستان کے لیے بحرِ ہند تک پائپ لائن بچھانے کے سلسلہ میں گفت وشنید کی تھی۔ دراصل امریکہ اس خطے میں عدم استحکام پیدا کرنے میں دلچسپی رکھتا تھا، تاکہ مقامی لوگ خود اپنے ذرائع کو بروئے کار لانے کے قابل نہ رہ جائیں کہ اپنے ذرائع سے کچھ کرسکیں۔ سابقہ مجاہدین کمانڈروں اور طالبان مخالف شمالی اتحاد کو یہ احساس ہی نہیں رہا کہ وہ اپنے استعمال کرنے والوں سے جو رقم وصول کررہے ہیں اس کے لیے وہ کتنے بڑے نقصان کا سودا کررہے ہیں۔

طالبان کا بنیادی جرم اسلام کے ساتھ ان کی وابستگی تھا۔ پھر یہ کہ وہ سعودی عرب یا کویتی شیوخ کی طرح امریکی مفادات کے لیے استعمال ہونے کو تیار نہ تھے۔ گو سعودی عرب والے کئی دہائیوں سے اسلام کی قطع ید کی سزا پر عمل پیرا ہیں، تاہم ان کا نفاذ شریعت ان اسلام خائف قوتوں کو اس لیے منظور ہے کہ اس برانڈ کا اسلام کسی قسم کے انقلابی جذبہ کو اُبھارنے کے قابل نہیں، تاکہ ایک

ایسا عادلانہ نظام قائم ہو جہاں مسلمان اپنی پوری زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں۔ طالبان حکومت سعودی عرب اور کویت کی حکومتوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع البنیاد تھی۔ پھر بھی اُسے برداشت نہیں کیا گیا۔ جبکہ کویت حکومت کی بحالی کے لئے امریکہ نے کروڑوں ڈالر خرچ کئے۔ کارپوریٹ دہشت گرد اس دوران افغانستان پر پوری طرح نگاہیں جمائے رہے۔ لہٰذا انھوں نے اسلام مخالف قوتوں کی پوری حمایت کردی تاکہ طالبان کو چلتا کردیں۔ جس دوران امریکہ طالبان کو خرید کر افغانستان پر کنٹرول حاصل کرنا چاہتا تھا، بقیہ دُنیا حقیقت اور افسانے کے درمیان حیرانی کا شکار تھی۔ اس افسانوی دُنیا کے سامنے اسلام خائف گروہ نے طالبان ''جرائم'' کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا تھا۔

بہت سے تجزیہ کاروں نے اس حقیقت کو برملا بیان کیا ہے کہ افغانستان میں ایسا کوئی بھی انسانی المیہ نہ تھا جو امریکہ کے لیے طالبان حکومت کے خاتمے اور افغانستان پر قبضہ کرنے کا جواز بنتا۔ عراق پر حملہ کا سبب تباہ کن ہتھیاروں کے موجودگی بتایا گیا تھا۔ اس کے بالکل برعکس افغانستان پر حملہ میں اسامہ بن لادن کی گرفتاری ترجیح نہیں تھی، جیسا کہ بعد میں سی آئی اے کے اہلکاروں نے بتایا تھا۔ اسامہ کی گرفتاری کے بہانے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اب امریکہ اسامہ کی حالت فرار ہی کو اپنے مفاد میں سمجھتا ہے۔ سی آئی اے کے سابقہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر اے بی کرونگارڈ کا کہنا تھا: ''ہمارے لئے اُس کی حالت فرار بہتر ہے، کیونکہ اسامہ کو کچھ ہونے کی صورت میں بہت سارے لوگ اپنی مردانگی کا مظاہرہ کرنے اور اس کی جگہ لینے کے لیے مسابقت کرتے ہوئے دہشتگردی کا ایک طوفان برپا کردیں گے۔''

اب جبکہ افغانستان پر قبضہ کا مقصد حاصل ہوچکا ہے، بہت سے امریکی حکام نے نجی حیثیت میں یہ تسلیم کیا ہے کہ اسامہ کو شہید کرنے یا انصاف کے کٹہرے میں لاکھڑا کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے پاک افغان سرحد پر کہیں مقیم رکھا جائے۔ کرونگارڈ نے جو اہم سینئر لوگوں میں سے ہیں، اس حقیقت کو برملا بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''یہ مفروضہ کہ اسامہ زندہ اور مفرور ہے ایک مرے ہوئے یا گرفتار شدہ اسامہ کی نسبت، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مفاد کے لیے زیادہ سود مند ہے''۔ طالبان کی اسامہ والے معاملہ کو حل کرنے کی پیش کش کو ٹھکرانے افغانستان پر اندھا دھند بمباری، قبضہ اور ایک کٹھ پتلی حکومت مسلط کرنے سے پہلے امریکی حکام اور تجزیہ کار اے بی کرونگارڈ جیسے خطوط پر سوچنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس وقت قبضہ ضروری ترجیح تھا، تاکہ اسامہ کو ''مردہ یا زندہ'' گرفتار کیا جائے۔ واشنگٹن میں واقع پوٹامک انسٹی ٹیوٹ فار پالیسی سٹڈیز میں کاؤنٹر ٹیررازم کے ماہر مائیکل سوئیٹام نے کرونگارڈ سے بھی پہلے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس نے کہا تھا ''یہ ایک بہت ہی اہم مباحثہ ہے۔ اگر تم اسے مار ڈالو تو تم ایک شہید پیدا کرو گے لیکن اگر تم اسے پکڑو تو پھر لامحالہ تمہیں کسی ٹریبونل اور مقدمہ چلانے کے عمل سے گزرنا ہوگا۔''

یہ تمام خیالات ان خیالات اور آراء کے ساتھ ساتھ پیش کئے جاتے رہے ہیں جن کے مطابق اسامہ کب کا مرچکا ہے، اور القاعدہ نامی کوئی گروہ وجود ہی نہیں رکھتا۔ القاعدہ کے خطرے کو اِس لیے بہت زیادہ اُچھالا گیا تاکہ افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی جاسکے۔ بہت سے تجزیہ نگار پختہ یقین رکھتے ہیں کہ القاعدہ کوئی تنظیم ہے ہی نہیں۔ نائن الیون سے پہلے اس نام سے اسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ الزرقاوی اور تباہ کن ہتھیاروں والی ہسٹریائی کیفیت کی مانند القاعدہ بھی ایک فرضی نام ہے اور القاعدہ کا پروپیگنڈا اس لیے کیا گیا تاکہ امریکہ اور برطانیہ کے افغانستان پر قبضہ اور انسانیت کے خلاف جرائم کے لئے جواز مہیا کیا جاسکے۔ رابرٹ شیئر نے لاس اینجلس ٹائم میں لکھا: ''قابل غور بات یہ ہے کہ ایسی القاعدہ کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، جس کے بارے میں صدر بُش کہتا ہے کہ وہ ایک وسیع، اعلیٰ پیمانے پر منظم بین الاقوامی دہشت گرد تنظیم ہے''۔ سرکاری طور پر القاعدہ کے متعلق یو ایس میڈیا نے جو گمراہ کن ہسٹریائی کیفیت پیدا کی ہے، اس سے امریکی انتظامیہ کی نیشنل سیکیورٹی کے حوالے سے دعوؤں پر سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔ القاعدہ اکیسویں صدی کے عظیم ترین ''جھوٹوں'' میں سے ایک جھوٹ ہے۔ دنیا میں القاعدہ کی ہیئت سے کوئی حقیقی تنظیم موجود نہیں، سوائے ان جھوٹی ویڈیوز کے جو اس کے متعلق بنائی گئی ہیں۔ ایسی کوئی شہادت نہیں کہ اسامہ لفظ ''القاعدہ'' استعمال کرتا تھا۔ القاعدہ نہ اب موجود ہے اور نہ پہلے کبھی موجود تھی۔ کئی بار سی آئی اے اور موساد القاعدہ کے روپ میں کام کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ بی بی سی نے بھی رپورٹ دی ہے کہ سی آئی اے القاعدہ کا روپ دھارتا ہے۔ مختصراً یہ کہ غیر جانبدار تجزیہ کار جو طالبان اور اسامہ کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتے، اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ القاعدہ دراصل ''ایک تراشا گیا انٹیلی جنس فرنٹ'' ہے۔

افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے القاعدہ کے ایک بہانہ اور نائن الیون کے ایک اندرونی معاملہ ہونے سے متعلق شہادتیں روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ طالبان ''جرائم'' کا بہانہ اسی طرح کی ایک چیز ہے جیسے عراق پر قبضہ جاری رکھنے کے لئے آزادی اور جمہوریت کو بہانہ بنایا گیا ہے۔ اگرچہ عراق پر حملے کی بنیادی وجہ جواز تباہ کن ہتھیار کی موجودگی بتائی گئی تھی لیکن اب تمام صورت حال بدل کر بات جمہوریت پر آگئی ہے۔ یہ ایک ایسا بہانہ ہے جس پر جنگ کے لیے کوئی بھی قانون اور اتھارٹی اجازت دینے کے روادار نہیں ہوں گے۔ افغانستان سے متعلق تمام بڑے بڑے دعوے جو اسامہ کو نکال باہر کرنے (Smoking out) اور اس کو زندہ یا مردہ پکڑنے سے متعلق تھے ''طالبان غنڈوں'' کے خاتمے پر آٹھہرے ہیں۔ اگر امریکہ اسامہ پر ہاتھ ڈالنے کے لیے ایک خودمختار ملک پر حملہ آور ہو کر قبضہ کرسکتا ہے تو اس کے لیے اس راہ میں کون سی مشکل حائل ہے کہ وہ پاک افغان سرحد پر اقدام کرکے اسامہ سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پاسکے؟

(جاری ہے)

کلیۃ القرآن لاہور کے طلبہ کا اعزاز

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور کے زیر اہتمام چلنے والے ادارہ **کلیۃ القرآن** (قرآن کالج) لاہور کے جن ہونہار طلبہ (درجہ اولیٰ، کلاس نہم) نے ادارے کے سالانہ امتحان میں نمایاں پوزیشنیں حاصل کیں، مرکزی انجمن خدام القرآن کی طرف سے انہیں تعلیمی قابلیت پر

خصوصی وظیفہ دیا جارھا ھے

پوزیشن ہولڈر طلبہ کے نام درج ذیل ہیں:

1	محمد تنویر	ولد محمد ایوب	اول
2	روح اللہ	ولد میاں حبیب الدیان	دوئم
3	محمد ذاکر	ولد حاجی محمد ظاہر	سوئم

بیرنس جینی نوئکے کو پارٹی سے برطرف کر دیا گیا کیونکہ اس نے صرف یہ بیان دیا تھا کہ اسرائیلی افواج نے ہیٹی کے زخمیوں کے اعضاء فروخت کر ڈالے تھے۔ 11 فروری 2010ء کو برطانیہ کے کلیمنگ علاقے کے جج نے 18 سالہ جورڈن بوکٹن کو مجرم قرار دیا کیونکہ اس نے ایک نوکری دینے والے ادارے میں یہ نعرہ لگایا تھا ''یہودی کے لیے موت'' اسے بارہ ماہ کی سزا سنائی گئی۔ 5 جنوری 2010ء کو نیویارک کے علاقے بروک لین کے ایولوایونو کو اس جرم پر 18 سال قید کی سزا سنائی گئی کہ اس نے 23 جگہوں پر یہودیوں کے خلاف بینر لگائے تھے۔ 5 فروری 2010ء کو روس کے شہر پیٹرز برگ کے اخبار آرتھوڈوکس رشیا کے چیف ایڈیٹر کانٹینٹن ڈرشبود کو تین سال سزا سنائی کیونکہ اس نے اپنے اخبار میں یہودیوں کے خلاف لکھا تھا۔

یہ صرف گزشتہ تین ماہ کے چند اہم مقدمے ہیں۔ اور میں اسے صرف ان لوگوں کے لیے لکھ رہا ہوں جنہیں آزادئ اظہار کے جنون میں اندازہ نہیں کہ اس امت کی سید الانبیاءؐ کے ساتھ کتنی محبتیں وابستہ ہیں۔ لیکن میرا دکھ گہرا ہے۔ ہم شافع محشرؐ سے شفاعت کے طلب گار ہیں لیکن ہمارے جذبات اور محبت کسی اور سے وابستہ ہے۔ ہم میں سے کسی سیاسی پارٹی کے لیڈر کی شان میں گستاخی کرو اور نتیجہ دیکھ لو۔ کیسے دھڑلے سے کہا جاتا ہے، کیا اس کی قبر پر مقدمہ چلاؤ گے۔ ہم دیکھ لیں گے۔ کاش، اس اقتدار کے ایوانوں سے لوگ اُٹھ کھڑے ہوتے اور کہتے ہمیں سید الانبیاءؐ اپنے ماں باپ سے، اپنے لیڈر سے، زیادہ پیارے ہیں۔ ہم تم سے نفرت کرتے ہیں۔ جو دکاندار کسی کے باپ کو گالیاں دیتا ہو کیا اس کی دوکان سے سودا خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن ہم وہ بے حس ہیں جو انہیں کا مال روز استعمال کرتے ہیں اور انہیں سے تعلق بھی جوڑے ہوئے ہیں۔ ہمارا صرف ایک ہی مطالبہ ہونا چاہیے کہ جب تک یورپ کے ممالک توہینِ سید الانبیاءؐ کے بارے میں ایسا ہی قانون نہیں بناتے جیسا انہوں نے یہودیوں کے خلاف لکھنے کے بارے میں بنا رکھا ہے تو ہمارا تم سے کوئی رشتہ نہیں۔ ہمارا جینا مرنا الگ ہے۔ اگر مسلم اُمہ نے ایسا کر لیا تو یہ پیسے پر مرنے والے ملٹی نیشنل کے غلام، اس امت سے ہاتھ جوڑ کر معافی بھی مانگیں گے اور اپنے ملکوں میں ویسا قانون بھی لائیں گے۔ سید الانبیاءؐ سے عشق کا تقاضا یہی ہے جب تک ویسا قانون نہ آئے ہمارا جینا مرنا ان سے الگ، جدا۔ (بشکریہ روزنامہ ''ایکسپریس'')

بقیہ: انقلاب ہمیشہ استحصال زدہ عوام ہی برپا کرتے ہیں

ہوا۔ انگلینڈ کے بنکاری نظام اور ریلوے سسٹم میں زبردست خرابی و تباہی پیدا ہوئی۔ فرانس میں اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں اضافہ اور ان کی نایابی نے بے روزگاری میں بہت اضافہ کر دیا۔ آئرلینڈ میں آلو کی فصل تباہ ہوگئی۔ ایک طرف یہ حالات تھے تو دوسری طرف محلات میں اشرافیہ اور بادشاہ اپنی تجوریوں میں پڑی دولت گن گن کر خوش ہو رہے تھے۔

12 جنوری 1848ء کو سسلی میں آتش فشاں پھٹ پڑا۔ ایسے حالات میں عوام بادشاہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنی الگ حکومت قائم کر لی، جو 16 ماہ رہی۔ انہوں نے ایک دستور کے ذریعے اٹلی کو بھی کنفیڈریشن میں شامل کر لیا۔ اس سے اٹلی میں حکمرانوں، جاگیرداروں اور وڈیروں کے خلاف ایک بغاوت ظاہر ہوئی۔ سسلی جدت پسندی میں سب سے آگے ہو گیا۔ 22 جون 1948ء کو 50 ہزار امریکی مزدوروں نے اپنی فوج قائم کر لی۔ فرانسیسی جنرل گیوجنک نے بدمعاشوں اور لٹیروں کو اپنے ساتھ ملا کر ایک لاکھ 30 ہزار کی مخلوط فوج کے ساتھ مزدوروں کو خون میں نہلا دیا۔ بہت سے لوگ مارے گئے۔ تقریباً 15 ہزار مزدور قیدی بنا کر اِدھر اُدھر بھیج دیئے گئے۔ جرمنی میں استحصالی مزدوروں نے حکومت وقت کے خلاف قدم اُٹھایا، اور ملک کو 39 ریاستوں میں تبدیل کر کے ایک کنفیڈریشن بنائی۔ آسٹریا میں پیرس والی خبر پہنچی تو ویانا میں بغاوت ہوگئی۔ یونیورسٹی کے طلبہ نے شہر کا انتظام سنبھال لیا۔ آسٹرین بادشاہ فرڈیننڈ کا نائب انگلینڈ بھاگ گیا۔ ہنگری کے انقلاب کے بعد ویانا میں دوبارہ بغاوت ہوگئی۔ مجموعی طور پر اس سال تقریباً تمام یورپی ممالک کو یکے بعد دیگرے انقلاب نے اپنے شکنجے میں لیا۔

6 جون بروز اتوار بوقت 10 بجے صبح
الحمرا ہال نمبر 1 مال روڈ لاہور میں
امیر تنظیم اسلامی **حافظ عاکف سعید** کی زیر صدارت

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا خواب: نظام خلافت کا قیام
جدوجہد مسلسل کی ضرورت

کے عنوان سے ایک سیمینار منعقد ہو رہا ہے۔ جس میں

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ — اوریا مقبول جان
ڈاکٹر عارف رشید — مولانا راشد میاں

اور دیگر زعماء ملت خطاب فرمائیں گے

المشتہر: محمد جہانگیر امیر تنظیم اسلامی حلقہ لاہور
فون: 0333-4273815/35858212-35845090

جب تک ویسا قانون نہیں آتا

اوریا مقبول جان

کیا یہ وہی امت ہے جس کا کل اثاثہ سید الانبیاءؑ سے عشق اور محبت اور کل متاع ان کی حرمت پر کٹ مرنے کی آرزو تھی۔ میرے جیسے دقیانوس اور فرسودہ خیال شخص کے سامنے آج کے روشن خیال دانشور کیسی کیسی دلیلیں لے کر آتے ہیں۔ فیس بک یا یوٹیوب بند کر کے دنیا سے کٹ جاؤ گے۔ دنیا تم پر ہنسے گی۔ پہلے ہی پاکستان کا دنیا بھر میں شمار دہشت گردوں کی پناہ گاہ کے طور پر ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگ تو پتا نہیں کس صدی میں رہتے ہو۔ کیا آج کے دور میں کسی کو طاقت کے زور پر کچھ کہنے، کرنے، لکھنے یا کارٹون بنانے سے روکا جا سکتا ہے۔ ان سب کا مقابلہ تو عقل سے اور ٹھنڈے دماغ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن تم جیسے لوگ تو بس لوگوں کو جذبات کی رو میں بہا کر ڈبو دیتے ہو۔ لیکن میں کیا کروں میں جب سید الانبیاءؑ کی شان میں گستاخی کے درد اور کرب سے گزرتا اور دوسری جانب ان آزادئ اظہار اور ترقی کے دیوانوں کی باتیں سنتا ہوں تو میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے۔ آزادئ اظہار کے نعرے کے دلدادہ ان دانشوروں کو شاید یورپ اور امریکہ کے وہ قوانین نظر نہیں آتے جو ان ملکوں کے آئین اور قانون میں یہودیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کو جرم قرار دیتے ہیں اور گزشتہ ساٹھ سالوں سے ہزاروں لوگ ان جرائم کی پاداش میں جیل جا چکے ہیں، کئی اخبارات اور رسائل بند ہو چکے ہیں، کتابیں ضبط کی جا چکی ہیں اور ویب سائٹس پر پابندی لگائی جا چکی ہے۔

انسانی آزادی، اظہار رائے اور حرمت لفظ و تحریر کے ان پروانوں کو میں صرف اس سال یعنی 2010ء کے دوران سزا پانے والے اور پابندی لگنے والی ویب سائٹس اور ٹی وی چینلوں کی ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں اور پھر سوال کروں گا کہ کیا یہودیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم کو عقل اور ٹھنڈے مزاج سے نہیں روکا جا سکتا تھا۔ ان کے خلاف بات کرنے والوں کو سزا کا مستحق کیوں قرار دیا گیا۔ 15 مئی 2010ء یونان کے شہر سلونیکا میں ایک یہودی قبرستان کے باہر یہودیوں کے خلاف نعرے لکھنے پر تین افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں ایک 17 سالہ بچہ بھی شامل تھا۔ اسی دن یعنی 15 مئی کو پولینڈ کے جنوب میں ایک فٹ بال سٹیڈیم سے پانچ شائقین کو گرفتار کیا گیا جنہوں نے یہودیوں کے بارے میں ایک بینر پر ایک بڑا سا کارٹون بنایا تھا، جس میں ایک لمبی ناک والا شخص جو یہودیوں کی علامت ہے اس پر موت کی علامت بنائی گئی تھی۔ 11 مئی 2010ء کو کینیڈا کے ایک 83 سالہ بوڑھے شخص میکس مہر کو چھ ماہ قید سنائی گئی اور دو سال پروبیشن پر رکھنے کو کہا گیا جس نے دیوار پر یہودیوں کے خلاف نعرے لکھے تھے۔ 6 مئی 2010ء کو امریکہ کے شہر نورفوک کی عدالت نے ایک شخص کرسٹوفر بروکس کو پانچ سال قید کی سزا سنائی جس نے ساٹھ سٹکروں پر یہودیوں کے خلاف نعرے لکھے اور انہیں گرجے کی دیواروں پر لگایا۔ 3 مئی 2010ء کو ناروے کی وزارتِ ثقافت نے ایک مصری ٹیلی ویژن ''الرحمۃ'' کی نشریات پر پابندی لگا دی کیونکہ وہ یہودیوں کے خلاف نفرت اگلتا تھا۔ اسی ٹیلی ویژن چینل پر فرانس میں 31 اکتوبر 2004ء کو اس وقت پابندی لگائی گئی جب اس نے ایک مصری عالم دین کی یہودیوں کے خلاف تقریر نشر کی۔ 30 اپریل 2010ء کو برطانیہ کی نیو کاسل عدالت نے 19 سالہ ٹکی ڈیوسن کو جو ایک دودھ بیچنے والا نوجوان ہے، اس بات کا مجرم قرار دیا کہ اس نے انٹرنیٹ پر یہودیوں کے خلاف آرین سٹرائک نامی ایک گروپ بنایا تھا۔ اس سارے فیصلہ کی ساعت صرف پچاس منٹ میں مکمل ہو گئی۔ 16 اپریل 2010ء کو جرمنی کے شہر ریگن برگ کی ایک عدالت نے ایک عیسائی بشپ رچرڈ ولیم سن کو اس بات پر سزا سنائی کہ اس نے سویڈن کے ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ جنگ عظیم دوئم میں یہودیوں کا قتل عام ہوا تھا۔ 14 اپریل 2010ء کو فرانس کی حکومت نے وہاں کے ایک سیٹلائٹ آپریٹر کو حکم دیا کہ وہ ایک مصری چینل کی نشریات مکمل طور پر بند کر دے کیونکہ یہ یہودیوں کے خلاف نفرت پھیلاتا ہے۔ 12 اپریل 2010ء کو اٹلی کی ایک عدالت نے ایک شخص پاؤلو منزی کو اس بات پر مجرم قرار دیا کہ اس نے انٹرنیٹ پر ایک بلاگ بنایا تھا جس میں 162 یونیورسٹی پروفیسروں کی لسٹ شائع کی تھی جو متعصب یہودی ہیں۔ کینیڈا کی یارک یونیورسٹی نے یکم اپریل 2010ء کو ایک طالب علم کو یونیورسٹی سے نکال دیا جس نے یہودیوں کے خلاف ایک ویب سائٹ بنائی تھی۔ اس وقت وہ شخص انٹیریو پولیس کی تحویل میں ہے۔ 25 مارچ 2010ء کو امریکہ کے شہر جین کی پولیس نے ایک شخص مائیکل رسٹر کو گرفتار کیا جو بازاروں میں یہودیوں کے خلاف نعرے لگاتا تھا۔ 18 مارچ 2010ء کو امریکہ کی ریاست ٹیکساس کی عدالت نے ایک فرم برادر سکاٹ کو ایک لاکھ پندرہ ہزار ڈالر جرمانہ کیا تھا کیونکہ اس کے اعلیٰ افسران اکثر گندے یہودی "Dirty Jew" جیسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ 18 مارچ 2010ء کو کینیڈا کے شہر کالگری میں ایک 17 سالہ لڑکے کو گرفتار کیا گیا جو دیواروں پر یہودیوں کے خلاف نعرے لکھتا تھا۔ 9 مارچ 2010ء کو سپین کے شہر بارسلونا کی عدالت نے ایک شخص پیڈرو ویریلا کو دو سال نو ماہ قید کی سزا سنائی۔ یہ شخص ایک کتابوں کی دکان یورپا بک سٹور کا مالک تھا اور یہودیوں کے خلاف کتابیں بیچتا تھا۔ 20 فروری 2010ء کو امریکہ کے شہر بوکارائن کی پولیس نے 15 سے 16 سال کی عمر کے تین لڑکوں کو گرفتار کیا جنہوں نے ایک یہودی عبادت گاہ کے پاس کھڑے ہو کر انہیں برا بھلا کہا تھا۔ 18 فروری 2010ء کو چیک ریپبلک کی سپریم کورٹ نے ایک سیاسی پارٹی ''ورکرز پارٹی'' پر پابندی لگائی کیونکہ وہ یہودیوں کے خلاف نظریات رکھتی تھی۔ 13 فروری 2010ء کو برطانیہ کی لبرل ڈیموکریٹ کی رکن اور ترجمان

ہمارا صرف ایک ہی مطالبہ ہونا چاہیے کہ جب تک یورپ کے ممالک توہینِ سید الانبیاءؑ کے بارے میں ایسا ہی قانون نہیں بناتے جیسا انہوں نے یہودیوں کے خلاف لکھنے کے بارے میں بنا رکھا ہے تو ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں

حلقہ سرحد جنوبی کا سہ ماہی اجتماع

17 اپریل 2010ء کو بعد نماز مغرب حلقہ سرحد جنوبی کا سہ ماہی اجتماع بمقام ہمدرد ویلفیئر سنٹر بدرشی میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز حافظ محمد مقصود کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے قرآن حکیم کی ایک اہم اصطلاح ''صبر'' کو موضوع بحث بنایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ صبر میں سب سے پہلی چیز اللہ کی اطاعت پر صبر ہے کہ جہاں اللہ کا حکم آئے، وہاں لاکھوں کروڑوں کے نقصان کو جوتی کی نوک پر رکھ دیا جائے۔ اسی طرح گناہوں پر صبر یہ ہے کہ ان سے ہر ممکن حد تک بچا جائے اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے زیادہ لو لگائی جائے۔ صبر کی مصلحتوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ صبر کے بغیر اپنے نصب العین تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ اس سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ اس پیغمبرانہ عمل سے فکری تطہیر اور تربیت ہوتی ہے۔

دوسرے مقرر امیر حلقہ میجر (ر) فتح محمد تھے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ ہمارا اصل ہدف اللہ کی رضا اور اُخروی نجات ہے۔ یہ نہ ہو کہ تنظیم میں داخل ہونا ہی ہمارا اصل ہدف بن جائے۔ انہوں نے بانی محترم کی دینی جدوجہد پر بھی اظہار خیال کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اب جبکہ بانیٔ محترم ہمارے درمیان نہیں رہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن کے مشن کو بھرپور انداز میں آگے بڑھایا جائے۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ تنظیمی فکر کو تازہ رکھنے کے لیے تنظیمی لٹریچر کو ایک دفعہ پھر غور سے پڑھا جائے۔ اس کے بعد رات کے کھانے کا وقفہ ہوا۔ بجلی کی آنکھ مچولی سے بچنے کے لیے ہمدرد ویلفیئر سنٹر نے جنریٹر کا انتظام کیا تھا، تاکہ پروگرام میں کسی قسم کا خلل نہ آئے اور مہمانوں کو تنگی محسوس نہ ہو۔ مہمانوں میں کوہاٹ اور سوات جیسے دور دراز کے علاقوں سے آنے والے منفرد رفقاء بھی شامل تھے۔ مردان، پشاور اور قرب و جوار کے رفقاء نے بھی پروگرام میں شرکت کی۔ اس کے بعد فضل رحیم نے جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ کی سیرت کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔

نماز فجر سے پہلے رفقاء کو انفرادی نوافل و ذکر و اذکار کے لیے جگایا گیا۔ نماز فجر کے بعد قاضی فضل حکیم نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے اقامت دین کی فرضیت اور اُس کی زوردار دعوت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اقامت دین کے لیے جدوجہد کوئی اضافی نیکی نہیں، بلکہ یہ دینی فریضہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اقامت دین کے لیے اپنی کوششوں کو تیز سے تیز تر کریں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں تک دعوت حق پہنچائیں۔

ناشتے کے وقفے کے بعد ڈاکٹر وقارالدین نے ''گھر، دفتر اور تنظیم'' کے حوالے سے بیان کیا۔ ڈاکٹر زبیر نے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے حوالے سے گفتگو کی۔ طارق خورشید نے ''جنت کی قیمت'' کے موضوع پر بیان کیا۔ اس کے بعد خالد محمود عباسی (نائب ناظم شمالی پاکستان) کو ''تنظیم اسلامی اور ہم عصر تحریکوں کا تحقیقی جائزہ'' کے حوالے سے گفتگو کرنا تھی مگر اسی دوران دنیا چینل سے دین و دانش کے نام سے ایک پروگرام براہِ راست نشر ہو رہا تھا، جس میں بانیٔ تنظیم اسلامی (مرحوم) کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کا انٹرویو جاری تھا۔ لہٰذا مشورے کے بعد بقیہ پروگرام کی جگہ یہ انٹرویو دیکھایا گیا۔ انٹرویو کے دوران مختلف اسکالرز مولانا رفیع عثمانی، ڈاکٹر ذاکر نائیک، مجیب الرحمٰن شامی، ڈاکٹر جاوید اقبال، جاوید احمد غامدی نے بھی بانی محترم کی زندگی پر اظہار خیال کیا۔ اس کے بعد خالد محمود عباسی کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے بانی تنظیم اسلامی کی زندگی کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی کہ کس طرح انہوں نے اپنی تمام زندگی اقامت دین کی کوششوں میں صرف کر دی۔ بعد ازاں ڈاکٹر اقبال صافی اور میجر (ر) فتح محمد نے بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے اپنے تاثرات بیان کیے۔ میجر (ر) فتح محمد کے اختتامی کلمات کے ساتھ یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

(مرتب: محمد سعید قریشی)

رفقاء تنظیم اسلامی ملتان کا تعزیتی اجتماع

امیر حلقہ اور اُمراء تناظیم کی ماہانہ میٹنگ میں بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ﷫ کی یاد میں ملتان شہر کے تمام رفقاء کا ایک تعزیتی اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس 9 مئی 2010ء صبح ساڑھے آٹھ تا گیارہ بجے قرآن اکیڈمی ملتان میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں 90 کے قریب رفقاء شریک ہوئے۔

پروگرام کا آغاز امیر حلقہ ڈاکٹر محمد طاہر خاکوانی کی گفتگو سے ہوا۔ انہوں نے بانیٔ محترم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ان کی دینی و علمی خدمات اور ان کی خوبیوں و صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ اُن کے بعد سعید اظہر عاصم، جام عابد حسین، محمد سلیم اختر اور انجینئر محمد عطاء اللہ خان نے باری باری بانیٔ محترم کی فکر کی مختلف جہتوں کے حوالے سے مختصر گفتگو کی۔ پروگرام کے آخر میں امیر تنظیم حافظ عاکف سعید صاحب کا ایک خطاب اور بانی محترم کی وہ دعا جو انہوں نے فیصل آباد کے پروگرام کے اختتام پر مانگی تھی، بذریعہ ملٹی میڈیا دکھائی گئی۔

(مرتب: شوکت حسین انصاری)

پریس ریلیز: 26 مئی 2010ء

لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ پر اہل اقتدار کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں

حافظ عاکف سعید

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے لاس اینجلس ٹائمز کی حالیہ رپورٹ پر جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شمالی وزیرستان میں طالبان کے خلاف نیا محاذ کھولنے کے امریکی مطالبے نے پاکستان کو مشکل میں ڈال دیا ہے، اگر کارروائی نہ کی گئی تو واشنگٹن کے ساتھ تعلقات کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے اور اگر یہ کارروائی شروع کی جاتی ہے تو ملک بھر میں دہشت گردی کی نئی لہر شروع ہوسکتی ہے، ہمارے اہل اقتدار کی آنکھیں اس رپورٹ سے کھل جانی چاہئیں۔ اگرچہ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد عالمی اتحاد میں فرنٹ اسٹیٹ بننے کے بعد نہ صرف ہمیں امن و امان کا مسئلہ لاحق ہے بلکہ اس کے نتیجے میں ہمارا وطن معاشی دیوالیے کی طرف جارہا ہے لیکن ہمارا اصل نقصان یہ ہے کہ موجودہ حکومتی پالیسی پاکستان اور ملت اسلامیہ کے نظریات سے متصادم ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہمارے حکمران اس اتحاد سے علیحدگی اختیار کرلیں ورنہ امریکہ ہمیں اپنے لوگوں سے لڑوا کر اپنے مقاصد حاصل کرتا رہے گا۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

India. He launched his own monthly *Faraan* from Karachi and strictly followed some principles. Every literary piece received for publication, for instance, whether prose or verse, had to conform to a certain standard of morality. No ads were accepted for publication from banks and no ads carrying any pictures were published. The lapses in the use of language were dealt with severely and Mahir-ul-Qadri in his book reviews rebuked the writers who underestimated the power and honour of words and misused them. You may or may not agree to Mahir's principles, but you have to admit that he had some principle-based policies and followed them sincerely. *Faraan* was not merely a literary magazine but a vehicle that carried certain moral and Islamic values and reflected certain aspects of traditional Islamic culture. Mahir-ul-Qadri was not a man but a movement unto himself!

Born Manzoor Husain on July 30, 1906 in a small town named Kaseer in district Buland Shehar of the UP, Mahir-ul-Qadri was a poet, critic, short-story writer, novelist, sketch-writer, lexicologist and journalist. He got his early love for the printed word from his father who was the only literate man in the town and was also a poet. After completing his high school studies, Mahir got a job in the princely state of Deccan. Here he remained in the company of poets and intellectuals. With long hours of study and hard work, he polished his natural talent for poetry, composing some marvellous poems that ultimately earned him name. In 1933, Mahir quit his job and went to Bijnour to join *Madina*, a bi-weekly newspaper that was to become a daily. In addition, he was entrusted with editing the sister publication *Ghuncha*, a monthly for children which did not go well for certain reasons and had to be abandoned after six months.

Mahir Sahib came back to Deccan. In 1941 he went to Bombay (now Mumbai) to attend a *mushaera*.... Mahir Sahib loved literature and certain values more than anything else. He called it a day in 1946 and settled in Delhi with the intension of bringing out a literary magazine *Faraan*.

But the destiny was smiling at him. As soon as he purchased some property in Delhi for the magazine, partition was declared and riots broke out. Mahir rushed back to his hometown which was later besieged by rioters. He somehow slipped through to safety with his family to cross the border over to Pakistan.

In 1949, he launched monthly *Faraan* from Karachi and established *Halqa-e-adab-e-Islami*, or Islamic literary circle. *Faraan* remained a regular publication till his death, in 1978, fighting for the cause Mahir had envisioned.

Mahir-ul-Qadri died on May 13, 1978 in Jeddah, where he had gone to perform Umra and attend a *mushaera*. He was buried in Makkah.

His books include *Tilism-e-Hayat*, *Zahoor-e-Qudsi*, *Durr-e-Yateem*, *Mehsoosat-e-Mahir*, *Jazbat-e-Mahir*, *Naghmat-e-Mahir*, *Naqsh-e-Tauheed*, *Karvan-e-Hijaz* and *Yaad-e-Raftagan*.

Abdul Ghani Farooq wrote a doctoral thesis on Mahir-ul-Qadri which was published in 2002. (*Courtesy: daily "Dawn"*)

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

حصہ اول کے بعد اب حصہ دوم بھی شائع ہو گیا ہے

سورۃ آل عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کا ترجمہ مع مختصر تشریح

عمدہ طباعت — دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد — امپورٹڈ پیپر

قیمت 400 — بڑے سائز کے 321 صفحات

انجمن خدام القرآن خیبر پختونخواہ، پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

Rauf Parekh

MAHIR-UL-QADRI — A MOVEMENT UNTO HIMSELF

In a previous issue of *Nida-e-Khilafat*, we published a moving poem of Mahir-ul-Qadri Sahib. We are giving here a very informative article on his life and ideological and literary ventures. For reasons of space, the piece has been slightly abridged. [Absar Ahmad]

The term "movement" is commonly applied to a "trend" or "development" in literature, says J. A. Cuddon in his book "*A Penguin dictionary of literary terms and literary theory*". But those who draw a line between a movement and a trend believe that a literary movement works for the advancement of a shared cause whereas a literary trend or tendency shows an inclination towards a specific characteristic, preferred whether individually or collectively. So, Progressivism was a movement but Romanticism was a trend.

The Islamic Literature Movement, or *Tehreek-e-adab-e-Islami*, is one of the movements that influenced Pakistani Urdu literature and drew a considerable strength. Getting under way during the period just after the creation of Pakistan, the movement influenced a large number of writers and readers concerned with the issues of morality and spirituality or matters relating to eastern and traditional values and their depiction in literature.

Another movement that had begun even earlier was Pakistani Literature Movement. Dr Taseer and Mohammad Hasan Askari had raised the question of Pakistani literature and its characteristics just before Pakistan's birth. They insisted that the Pakistani literature must have its own content and tone and should portray the country's ideology and its values. Later, as some critics believe, Askari Sahib got the Pakistani literature intermingled with Islamic literature and the confusion spread. Some believe that Islamic Literature Movement was an offshoot of Pakistani Literature Movement.

These two, in fact, were two separate literary movements.

The Marxists did not agree, in principle, to the idea of a separate homeland for Muslims and Faiz Ahmed Faiz, a declared Marxist, had said of the morning of August 14, 1947:

ye daagh daagh ujala ye shab gazeeda sahar
wo intezar tha jis ka ye wo sahar to nahin

This naturally enraged those who saw the dawn of independence as a dream come true. Hasan Askari and Mumtaz Shireen raised the question of a writer's commitment to the state and demanded that Pakistani writers be loyal to this country. The Marxists were committed to other ideologies and had their own philosophy of loyalty. Against this backdrop, some writers began criticizing the progressive movement and their literature, especially their disregard for morals, religion and traditions. Though some protesting voices against the progressive literature had always been there, the new critics based their criticism on moral and Islamic values and raised the question of patriotism, too. It soon gathered the momentum of a movement and was called *Islami adab ki tehreek*. Though many of the writers and critics who supported Islamic literature movement were either sympathizers or members of the Jamaat-e-Islami, not all of them could be called so.

With the banning of the Communist Party of Pakistan in 1953, the Islamic literature movement in the absence of a tangible rival lost much of its steam and today it is only a shadow of its former self, though not actually over.

In the ranks of the writers and intellectuals who staunchly opposed the progressives was Mahir-ul-Qadri. He had been opposing them and their philosophy even in the pre-independence days. Having migrated to Pakistan in 1947, Mahir Sahib picked up his relentless ideological pursuit --- a war on progressivism --- from where he had left it in